بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ نزل احسن الحدیث

شمارہ نمبر 42

نضر اللہ امرأ سمع منا
حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

شوال ۱۴۲۸ھ نومبر ۲۰۰۷ء

ماہنامہ

الحدیث

حضرو

مدیر
حافظ زبیر علی زئی

مکتبۃ الحدیث
حضرو، اٹک : پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 4 | شوال ۱۴۲۸ھ نومبر ۲۰۰۷ء | شمارہ: 11

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

0300-5335233

معاونین

حافظ ندیم ظہیر
0301-6603296

محمد صفدر حضروی
0334-5606841

ابو خالد شاکر

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ : 15 روپے

سالانہ : 150 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک
200 روپے

برائے رابطہ

مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد
0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

اضواء المصابیح

حافظ زبیر علی زئی

اللہ سے روحوں کا وعدہ

الفصل الثالث

۱۱۹) وعن أبی الدرداء عن النبي ﷺ قال :((خلق اللّٰہ آدم حین خلقه، فضرب كتفه اليمنى فأخرج ذرية بيضاء كأنهم الذر، وضرب كتفه اليسرى فأخرج ذرية سوداء كأنهم الحمم، فقال للذي في يمينه : إلى الجنة ولا أبالي ، وقال للذي في كتفه اليسرى:إلى النار ولا أبالي . رواه أحمد .

(سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کا دایاں کندھا ہلایا پھر اس سے چیونٹیوں جیسی سفید اولاد نکالی اور بایاں کندھا ہلایا تو اس سے کوئلے جیسی کالی سیاہ اولاد نکالی۔ پھر (کندھے کے) دائیں طرف والوں کے بارے میں فرمایا: جنتی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، اور بائیں کندھے والوں کے بارے میں فرمایا: جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

اسے احمد (۶/ ۴۴۱ ح ۲۸۰۳۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ ابوالربیع سلیمان بن عتبہ السلمی جمہور محدثین کے نزدیک موثق راوی ہیں لہٰذا وہ قولِ راجح میں حسن الحدیث ہیں۔

''الموسوعۃ الحدیثیہ'' (۴۵/ ۴۸۱) کے محقق یا محققین کا ابوالربیع مذکور پر جرح کرنا غلط ہے۔

ہیثم بن خارجہ بھی ثقہ وصدوق ہیں اور باقی سند صحیح لذاتہ ہے۔

فقہ الحدیث:

① انسانوں کی پیدائش سے پہلے تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

② اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت سے کوئی چیز بھی باہر نہیں بلکہ ہر چیز کو اس کا علم وقدرت محیط ہے۔

③ اس حدیث اور دیگر احادیث سے دائیں جانب کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

۱۲۰) وعن أبي نَضْرة أن رجلاً من أصحاب النبي ﷺ يقال له : أبوعبدالله، دخل عليه أصحابه يعودونه وهو يبكي، فقالوا له :مايبكيك ؟ ألم يقل لك رسول الله ﷺ :((خذ من شاربك ثم أقرّه حتى تلقاني؟)) قال : بلى ولكن سمعت رسول الله ﷺ يقول :((إن الله عز وجل قبض بيمينه قبضة وأخرى باليد الأخرى وقال :هذه لهذه وهذه لهذه ولا أبالي)) ولا أدري في أي القبضتين أنا ؟ رواه أحمد .

ابونضرہ (منذر بن مالک، تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ میں سے ابوعبداللہ نامی ایک صحابی کے پاس جب ان کے ساتھی بیمار پرسی کے لئے گئے تو وہ رو رہے تھے۔ انھوں نے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ سے نہیں فرمایا تھا کہ ہمیشہ اپنی مونچھوں میں سے کاٹتے رہو حتیٰ کہ مجھ سے آملو؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دائیں ہاتھ سے ایک مٹھی لی اور بائیں ہاتھ سے دوسری مٹھی لی اور فرمایا: ''یہ اس (جنت) کے لئے ہیں اور یہ اس (جہنم) کے لئے ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔'' مجھے یہ پتا نہیں کہ میں کس مُٹھی میں سے ہوں۔!

اسے احمد (۴/۱۷۶ ح ۱۷۷۳۶، ۵/۶۸ ح ۲۰۹۴۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور صحابی کا نام معلوم نہ ہونا ذرا بھی مضر نہیں ہے کیونکہ تمام صحابۂ کرام عدول (سچے) تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

فقہ الحدیث:

① اس حدیث سے بھی تقدیر کا برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔

② یہ حدیث اور سابقہ حدیث ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

③ چاہے کتنا ہی بڑا نیک انسان ہو لیکن اپنے نیک اعمال پر کبھی فخر نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہر

وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

④ اللہ کا ہاتھ اور مٹھی اُس کی صفات ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور ان صفات کی کیفیت نامعلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بعض گمراہ لوگ مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور بعض گمراہ تاویل وغیرہ کر کے ان صفات کا انکار کر دیتے ہیں، ان دونوں گروہوں کا یہ طرزِ عمل قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے متفقہ فہم کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔

⑤ اصل کامیاب وہ لوگ ہیں جو مرنے کے بعد جنت میں اپنے محبوب اور امام سیدنا رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کریں گے۔ فداہ ابی وامی وروحی

١٢١) وعن ابن عباس رضي الله عنه، عن النبي ﷺ قال :

((أخذ الله الميثاق من ظهر آدم بنَعمان ـ يعني عرفة ـ فأخرج من صلبه كل ذرية ذرأها فنثرهم بين يديه كالذّر ثم كلمهم قُبُلاً قال : ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾)) رواه أحمد .

(سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ نے آدم (علیہ السلام) کی اولاد سے نَعمان (کی وادی) یعنی عرفات کے پاس وعدہ لیا۔ اللہ نے آدم کی پشت سے ساری (ہونے والی) اولاد کو نکالا اور ان کے سامنے چیونٹیوں کی طرح پھیلا دیا پھر اُن سے رُوبرُو کلام کیا، فرمایا: کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! (تُو ہمارا رب ہے) ہم نے گواہی دی۔ تاکہ تم روزِ قیامت یہ نہ کہو کہ ہم اس سے غافل تھے، یا یہ نہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے آباء و اجداد نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد تھے، کیا تم باطل کام کرنے والوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرتے ہو؟

اسے احمد (۱/۲۷۲ ح ۲۴۵۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے۔ کلثوم بن جبر صحیح مسلم کے راوی اور جمہور کے نزدیک موثق ہیں لہٰذا حسن الحدیث ہیں۔ جریر بن حازم کو حافظ ابن حجر نے مدلسین کے طبقۂ اولیٰ میں ذکر کیا ہے لیکن قولِ راجح میں وہ مدلس نہیں بلکہ تدلیس سے بری ہیں۔ دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۲۱)

ان پر تدلیس کا الزام یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی نے لگایا تھا اور یہ یحییٰ الحمانی بذاتِ خود سخت ضعیف بلکہ ساقط العدالت راوی ہے لہٰذا اس کی جرح مردود ہے۔

اس حدیث کو امام احمد کے علاوہ ابن ابی عاصم (السنۃ: ۲۰۲) نسائی (السنن الکبریٰ: ۱۱۱۹۱، وقال: و كلثوم هذا ليس بالقوي و حديثه ليس بالمحفوظ) حاکم (المستدرک ۱/۲۷، ۲/۵۴۴) اور بیہقی (الاسماء والصفات ص ۳۲۶، ۳۲۷) وغیرہم نے بیان کر رکھا ہے۔ حاکم اور ذہبی دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس روایت پر امام نسائی کی جرح صحیح نہیں ہے اور قولِ راجح میں یہ حدیث موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح سے صحیح و حسن ہے۔

فقہ الحدیث:

① یہ حدیث سورۃ الاعراف کی آیت (۱۷۲۔۱۷۳) کی تفسیر ہے۔

② موقوف روایت تفسیر ابن جریر الطبری (۹/۷۵) میں صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے۔

③ اسلام دینِ فطرت ہے۔

۱۲۲) وعن أُبي بن كعب في قول الله عزّوجل: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾ قال: جمعهم فجعلهم أزواجًا ثم صوّرهم فاستنطقهم فتكلموا ثم أخذ عليهم العهد والميثاق ﴿ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ ﴾ قالوا: بلٰى. قال: فإني أشهد عليكم السماوات السبع والأرضين السبع و أشهد عليكم أباكم آدم أن تقولوا يوم القيامة: لم نعلم بهذا. اعلموا أنه لا إله

غيري ولا رب غيري ولا تشركوا بي شيئاً، إني سأرسل إليكم رسلي يذكرونكم عهدي و ميثاقي وأنزل عليكم كتبي . قالوا : شهدنا بأنك ربنا و إلٰهنا. لا رب لنا غيرك ولا إلٰه لنا غيرك . فأقرّوا بذلك ورفع عليهم آدم عليه السلام ينظر إليهم فرأى الغني والفقير وحسن الصورة و دون ذلك . فقال :ربّ لو لا سوّيت بين عبادك! قال : إني أحببت أن أشكر . ورأى الأنبياء فيهم مثل السُّرُج عليهم النور خصوا بميثاقٍ آخر في الرسالة والنبوة وهو قوله تبارك و تعالى : ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ﴾ إلى قوله : ﴿وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾ كان في تلك الأرواح فأرسله إلى مريم عليها السلام .

فحُدِّث عن أُبَي :أنه دخل مِن فيها . رواه أحمد .

(سیدنا) اُبی بن کعب (رضی اللہ عنہ) نے آیتِ کریمہ ''اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی'' کی تفسیر میں فرمایا: انھیں اکٹھا کیا اور جوڑے جوڑے بنایا پھر انھیں صورت بخشی تو بولنے کا حکم دیا۔ انھوں نے کلام کیا پھر اللہ نے ان سے عہد و پیمان لیا'' اور انھیں اپنی جانوں پر گواہ بنایا: کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں! (تو ہمارا رب ہے) فرمایا: میں سات آسمانوں، سات زمینوں اور تمھارے والد آدم (علیہ السلام) کو تم پر گواہ بناتا ہوں کہ قیامت کو یہ نہ کہنا: ہمیں اس کا علم نہیں تھا، جان لو کہ میرے سوا کوئی دوسرا الٰہ (معبود برحق) نہیں ہے اور نہ کوئی دوسرا رب ہے۔ میرے ساتھ کسی چیز میں بھی شرک نہ کرنا۔ میں اپنے رسول بھیجوں گا جو تمھیں میرا عہد و پیمان یاد دلائیں گے اور میں تمھارے لئے اپنی کتابیں اتاروں گا۔ انھوں نے جواب دیا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور الٰہ ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں اور نہ تیرے سوا کوئی دوسرا الٰہ ہے۔

ان سب نے اس کا اقرار کیا۔ آدم علیہ السلام کو اُن پر بلند کیا گیا تاکہ وہ انھیں دیکھیں۔

انھوں نے امیر وغریب، خوبصورت اور بدصورت دیکھے تو کہا: اے میرے رب! تُو نے اپنے بندوں کو ایک جیسا برابر کیوں نہیں بنایا؟ اللہ نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ انھوں (آدم علیہ السلام) نے انبیاء کرام کو نور کے چراغوں کی طرح دیکھا، ان سے خاص طور پر نبوت ورسالت کے بارے میں دوسرا عہد و پیمان لیا گیا تھا اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ ارشاد ہے: ''اور جب ہم نے نبیوں سے وعدہ لیا'' سے لے کر ''عیسیٰ بن مریم'' تک (سورۃ الاحزاب: ۷)

عیسیٰ علیہ السلام ان ارواح میں سے تھے پھر انھیں اللہ نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا۔

پھر اُبی (بن کعب رضی اللہ عنہ) سے بیان کیا گیا کہ وہ منہ کے راستے داخل ہوئے تھے۔

اسے (عبداللہ بن) احمد (۱۳۵/۵ ح ۲۱۵۵۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس کے راوی سلیمان بن طرخان التیمی ثقہ امام ہونے کے ساتھ مدلس بھی تھے۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: سلیمان التیمی تدلیس کرتے تھے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳۶۰۰)

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے انھیں مدلسین کے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے لیکن راجح یہی ہے کہ وہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں۔ دیکھئے الفتح المبین (ص ۴۲)

المستدرک للحاکم (۳۲۳/۲۔۳۲۴) وغیرہ میں اس کی دوسری سند بھی ہے لیکن وہ سند بھی ضعیف ہے۔ اس کے راویوں میں سے ابوجعفر الرازی اور ربیع بن انس دونوں جمہور کے نزدیک موثق ہیں لہٰذا دونوں حسن الحدیث ہیں لیکن ابوجعفر الرازی جب ربیع بن انس سے روایت کریں تو وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔ دیکھئے کتاب الثقات لابن حبان (۲۲۸/۴)

ربیع بن انس اور مغیرہ بن مقسم الضبی کے علاوہ دوسرے ثقہ وصدوق راویوں سے ابو جعفر الرازی کی روایت حسن ہوتی ہے اور اسی طرح ابوجعفر کے علاوہ اگر کوئی دوسرا ثقہ وصدوق راوی ربیع بن انس سے روایت بیان کرے تو وہ حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ والحمدللہ

۱۲۳) وعن أبي الدرداء قال: بينما نحن عند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نتذاكر ما

يكون إذ قال رسول الله ﷺ :((إذا سمعتم بجبل زال عن مكانه فصدّقوه و إذا سمعتم برجل تغير عن خُلُقه فلا تصدّقوا به فإنه يصير إلى ما جُبِل عليه .)) رواه أحمد .

(سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئندہ ہونے والی باتوں کا ذکر کر رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اسے سچ سمجھو اور اگر کسی آدمی کے بارے میں سنو کہ اس کا اخلاق بدل گیا تو اسے سچ نہ سمجھو کیونکہ وہ اسی طرف جاتا ہے جو اس کی جبلت وفطرت میں شامل ہے۔ اسے احمد (۶/۴۴۳ ح ۲۸۰۴۷) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حافظ نورالدین الہیثمی نے فرمایا: لیکن زہری نے ابوالدرداء کو نہیں پایا۔ (مجمع الزوائد ۷/۱۹۶)

معلوم ہوا کہ امام زہری نے سیدنا ابوالدرداء کو نہیں دیکھا اور نہ ان سے ملاقات کی ہے لہٰذا یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۱۲۴) وعن أم سلمة قالت :يا رسول الله ! لا يزال يصيبك في كل عام وجع من الشاة المسمومة التي أكلت . قال :((ما أصابني شيء منها إلا وهو مكتوب علي و آدم في طينته .)) رواه ابن ماجه .

(سیدہ) ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے جو زہر والی بکری میں سے کھایا تھا اس کی وجہ سے ہر سال آپ کو تکلیف (بیماری) ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھے جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ (میری تقدیر میں) اس وقت لکھ دی گئی جب آدم (علیہ السلام) مٹی کی صورت میں تھے۔

اسے ابن ماجہ (۳۵۴۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس کا راوی ابوبکر العنسی یا تو مجہول ہے

جیسا کہ امام ابن عدی نے فرمایا ہے یا وہ ابوبکر بن ابی مریم العنسی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۹۹۸)

ابوبکر بن ابی مریم العنسی مشہور ضعیف راوی ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۹۷۴) اور عام کتب اسماء الرجال۔

تنبیہ: حدیث نمبر ۹۷ سے تقدیر پر ایمان والی روایات کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو اس روایت (ح ۱۲۴) پر ختم ہوا۔ تقدیر پر ایمان لانا قرآن، حدیث اور سلف صالحین کے اجماع سے ثابت ہے۔ تقدیر پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو ہوا ہے، جو ہو رہا ہے اور جو ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت میں ہے اور اس نے اسے تخلیقِ کائنات سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ رکھا ہے۔ جو شخص خیر والا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ نے اس کے لئے اپنے فضل وکرم سے جنت تیار کر رکھی ہے اور جو شخص شر والا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ نے اس کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱۳ص ۵ تا ۲۲

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم اور رحمت سے ہمیں جہنم سے بچائے اور جنت میں داخل فرمائے۔ آمین

[مولانا محمد یحییٰ گوندلوی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ''تقدیر پر ایمان لانا فرضِ عین ہے، اس کا منکر بدعتی بلکہ بعض صورتوں میں دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو جاتا ہے کیونکہ شریعت نے تقدیر پر ایمان کو فرض قرار دیا ہے۔ تو اس کے انکار کا مطلب شریعت کے اس پہلو کا انکار ہے۔

معنی قدر: تقدیر کا معنی کسی چیز کی حد بندی ہے، شرعی اصطلاح میں اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہی ام الکتاب لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔ اس کا علم چیز کے وجود میں آنے سے پہلے کا ہے، کوئی چیز بھی اپنے وجود میں آنے سے پہلے اور بعد اس کے علم سے باہر نہیں، اس نے ہی پوری کائنات میں ہر ایک امر کو اس کے حدود واصول میں وضع کیا ہے، کوئی ایسا امر نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے خلق اور پیدائش سے پہلے ضبط اور لکھ نہ دیا ہو۔'' (عقیدہ اہلحدیث ص ۳۲۳)]

حافظ زبیر علی زئی

اہلِ حدیث پر بعض اعتراضات اور ان کے جوابات

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:

صحیح العقیدہ محدثینِ کرام اور تقلید کے بغیر، سلف صالحین کے فہم پر کتاب وسنت کی اتباع کرنے والوں کا لقب اور صفاتی نام: اہلِ حدیث ہے۔ اہلِ حدیث کے نزدیک قرآن مجید، احادیثِ صحیحہ (علیٰ فہم السلف الصالحین) اور اجماع شرعی حجت ہیں۔ انھیں ادلۂ شرعیہ بھی کہا جاتا ہے۔ ادلۂ شرعیہ سے اجتہاد کا جواز ثابت ہے اور اجتہاد کی متعدد اقسام ہیں:

① کتاب وسنت کے عموم ومفہوم وغیرہما سے استدلال

② آثارِ سلف صالحین سے استدلال ③ وہ قیاس جو ادلۂ شرعیہ کے مخالف نہ ہو۔

④ مصالح مرسلہ وغیرہ

اہلِ حدیث کے نزدیک اجتہاد جائز ہے لہٰذا ادلۂ شرعیہ ثلاثہ سے استدلال کے بعد دلیلِ رابع پر بھی عمل جائز ہے، بشرطیکہ کتاب وسنت، اجماع اور آثارِ سلف صالحین کے خلاف نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں اہلِ حدیث کے نزدیک ادلۂ اربعہ درج بالا مفہوم کے ساتھ حجت ہیں۔

تنبیہ: اجتہاد عارضی اور وقتی ہوتا ہے لہٰذا اسے دائمی قانون کی حیثیت نہیں دی جا سکتی اور نہ ایک شخص کا اجتہاد دوسرے شخص پر دائمی ولازمی حجت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس تمہید کے بعد بعض الناس کے اہلِ حدیث پر اعتراضات ومغالطات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

اعتراض نمبر ۱: ''اہلِ حدیث کے نزدیک شرعی دلیلیں صرف دو ہیں:

① قرآن ② حدیث تیسری کوئی دلیل نہیں ہے۔''

جواب: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **((لا یجمع اللّٰہ أمتي علٰی ضلالۃ أبدًا))** اللہ میری امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ (المستدرک للحاکم ۱/۱۱۶ ح ۳۹۹ وسندہ صحیح)

اس حدیث سے اجماعِ امت کا حجت ہونا ثابت ہے۔ (دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ا ص۴ جون ۲۰۰۴ء)

حافظ عبداللہ غازیپوری محدث رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۳۷ھ) فرماتے ہیں:

''اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل حدیث کو اجماع امت و قیاس شرعی سے انکار ہے۔ کیونکہ جب یہ دونوں کتاب وسنت سے ثابت ہیں تو کتاب وسنت کے ماننے میں ان کا ماننا آ گیا''

(ابراء اہل الحدیث والقرآن ص ۳۲)

معلوم ہوا کہ اہلِ حدیث کے نزدیک اجماع امت (اگر ثابت ہو تو) شرعی حجت ہے۔ اسی وجہ سے ماہنامہ الحدیث حضرو کے تقریباً ہر شمارے پر لکھا ہوتا ہے کہ ''قرآن وحدیث اور اجماع کی برتری'' یہ بھی یاد رہے کہ اہلِ حدیث کے نزدیک اجتہاد جائز ہے جیسا کہ تمہید میں عرض کر دیا گیا ہے۔ والحمدللہ

اعتراض نمبر۲: اہلِ حدیث کے نزدیک ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ قرآن وحدیث کو فہم سلف صالحین کے بجائے اپنے ذاتی فہم کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرے۔

جواب: یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ بلکہ اس کے برعکس حافظ عبداللہ روپڑی محدث رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۸۴ھ) فرماتے ہیں: ''خلاصہ یہ کہ ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ کہ سلف کا خلاف جائز نہیں'' (فتاویٰ اہلِ حدیث ج ا ص ۱۱۱) معلوم ہوا کہ اہلِ حدیث کے نزدیک قرآن وحدیث کو سلف صالحین کے فہم سے سمجھنا چاہئے اور سلف صالحین کے فہم کے مقابلے میں ذاتی انفرادی فہم کو دیوار پر دے مارنا چاہئے۔ اسی وجہ سے ماہنامہ الحدیث حضرو کے تقریباً ہر شمارے کے آخری ٹائٹل پر لکھا ہوتا ہے کہ ''سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار''

اعتراض نمبر۳: اہلِ حدیث کے نزدیک صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی حجت ہیں۔ وہ حدیث کی دوسری کتابوں کو نہیں مانتے۔

جواب: یہ اعتراض بھی باطل ہے، کیونکہ اہلِ حدیث کے نزدیک صحیح احادیث حجت ہیں چاہے وہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہوں یا سنن ابی داود، سنن الترمذی، سنن النسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ اور دیگر کتبِ حدیث میں صحیح وحسن لذاتہ سند کے ساتھ

موجود ہوں۔ ہماری تمام کتابیں بشمول ماہنامہ الحدیث حضرو، اس پر گواہ ہیں کہ ہم صحیحین کے ساتھ ساتھ دوسری کتبِ حدیث کی صحیح روایتوں سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ والحمدللہ

اعتراض نمبر۴: اہلِ حدیث تقلید نہیں کرتے۔

جواب: جی ہاں، اہلِ حدیث تقلید نہیں کرتے، کیونکہ تقلید کے جواز یا وجوب کا کوئی ثبوت قرآن، حدیث اور اجماع میں نہیں ہے اور نہ آثارِ سلف صالحین سے تقلید ثابت ہے بلکہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**وأما زلة عالم فإن اهتدى فلا تقلدوه دينكم**'' رہا عالم کی غلطی کا مسئلہ تو اگر وہ ہدایت پر بھی ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔

(کتاب الزہد للامام وکیع ج ۱ ص ۳۰۰ ح ۷۱ وسندہ حسن، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۶)

اہلِ سنت کے جلیل القدر امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع کیا ہے۔ (کتاب الام، مختصر المزنی ص ۱، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۸)

اہلِ سنت کے مشہور عالم حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ (تقلید کی) بدعت چوتھی صدی (ہجری) میں پیدا ہوئی ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۰۸، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۲)

ظاہر ہے کہ کتاب وسنت پر عمل اور بدعت سے بچنے میں ہی دونوں جہانوں کی کامیابی کا یقین ہے۔

اعتراض نمبر۵: وحید الزمان حیدر آبادی نے یہ لکھا ہے اور نواب صدیق حسن خان نے وہ لکھا ہے۔ نور الحسن نے یہ لکھا ہے اور بٹالوی نے وہ لکھا ہے۔

جواب: وحید الزمان صاحب ہو یا نواب صدیق حسن خان صاحب، نور الحسن ہو یا بٹالوی صاحب ہوں، ان میں سے کوئی بھی اہلِ حدیث کے اکابر میں سے نہیں ہے اور اگر ہوتے بھی تو اہلِ حدیث اکابر پرست نہیں ہیں۔

وحید الزمان صاحب تو متروک تھے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۳ ص ۳۶، ۴۰

ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی تقلیدی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اہلِ حدیث کے علماء اور عوام بالاتفاق وحید الزمان وغیرہ کی کتابوں کو غلط قرار دے کر مسترد کر چکے ہیں۔ (تحقیق مسئلہ تقلید ص ۶)

شبیر احمد عثمانی دیوبندی کو وحید الزمان کا (صحیح بخاری کا) ترجمہ پسند تھا۔

(دیکھئے فضل الباری ج ۱ ص ۲۳، از قلم: محمد یحییٰ صدیقی دیوبندی)

وحید الزمان صاحب عوام کے لئے تقلید کو واجب سمجھتے تھے۔ [دیکھئے نزل الابرار (ص ۷) شائع کردہ آلِ دیوبند لاہور] لہٰذا انصاف یہی ہے کہ وحید الزمان کے تمام حوالے آلِ دیوبند اور آلِ تقلید کے خلاف پیش کرنے چاہئیں۔ نواب صدیق حسن خان صاحب (تقلید نہ کرنے والے) حنفی تھے۔ (مآثر صدیقی حصہ چہارم ص ۱، دیکھئے حدیث اور اہلِ حدیث ص ۸۴)

نور الحسن مجہول الحال ہے اور اس کی طرف منسوب کتابیں اہلِ حدیث کے نزدیک معتبر کتابوں کی فہرست میں نہیں ہیں بلکہ یہ تمام کتابیں غیر مفتیٰ بہا اور غیر معمول بہا مسائل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

محمد حسین بٹالوی صاحب رحمہ اللہ اہلِ حدیث عالم تھے لیکن اکابر میں سے نہیں تھے، بلکہ ایک عام عالم تھے جنھوں نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ ان کی کتاب ''الاقتصاد'' مردود کتابوں میں سے ہے۔ بٹالوی صاحب کی پیدائش سے صدیوں پہلے روئے زمین پر اہلِ حدیث موجود تھے۔ مثلاً دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۹ ص ۱۳ تا ۳۳

خلاصہ یہ کہ ان علماء اور دیگر علماء اصاغر کے حوالے اہلِ حدیث کے خلاف پیش کرنا ظلمِ عظیم ہے۔ اگر کچھ پیش کرنا ہے تو اہلِ حدیث کے خلاف قرآن مجید، احادیثِ صحیحہ، اجماع اور سلف صالحین مثلاً صحابہ وثقہ تابعین وثقہ تبع تابعین وکبار محدثین کے حوالے پیش کریں بصورتِ دیگر دندان شکن جواب پائیں گے۔ ان شاء اللہ

تنبیہ: اہلِ حدیث کے نزدیک قرآن وحدیث اور اجماع کے صریح مخالف ہر قول مردود ہے۔

اعتراض نمبر ۶: مفتی عبد الہادی دیوبندی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ''یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ غیر مقلدین (جو خود کو اہلحدیث کہتے ہیں) کا وجود انگریز کے دور سے پہلے نہ تھا۔''

(نفس کے پجاری ص ۱)

جواب: دو قسم کے لوگوں کو اہلِ حدیث کہتے ہیں:

① صحیح العقیدہ (ثقہ وصدوق) محدثینِ کرام جو تقلید کے قائل نہیں ہیں۔

② محدثینِ کرام کے عوام جو صحیح العقیدہ ہیں اور بغیر تقلید کے کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ خیر القرون سے لے کر آج تک ہر دور میں موجود رہے ہیں۔

دلیل اول: صحابۂ کرام سے تقلیدِ شخصی وتقلیدِ غیر شخصی کا کوئی صریح ثبوت نہیں ہے بلکہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **و أمازلة عالم فإن اهتدى فلا تقلدوه دينكم** '' رہا عالم کی غلطی کا مسئلہ تو (سنو) وہ اگر سیدھے راستے پر بھی (چل رہا) ہو تو بھی اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔ (کتاب الزہد للامام وکیع ج۱ ص۳۰۰ ح۷۱ وسندہ حسن، دین میں تقلید کا مسئلہ ص۳۶)

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **لا تقلدوا دينكم الرجال** '' اپنے دین میں لوگوں کی تقلید نہ کرو۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج۲ ص۱۰، وسندہ صحیح، نیز دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ ص۳۵)

صحابہ میں سے کوئی بھی ان کا مخالف نہیں ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ تقلید ممنوع ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام صحابہ اہلِ حدیث تھے۔ یاد رہے کہ اس اجماع کے مخالفین ومنکرین جو ''دلائل'' پیش کرتے ہیں ان میں تقلید کا لفظ نہیں ہے۔

دلیل دوم: مشہور جلیل القدر تابعی امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ لوگ تجھے رسول اللہ ﷺ کی جو حدیث بتائیں اسے (مضبوطی سے) پکڑ لو اور جو بات وہ اپنی رائے سے (کتاب وسنت کے خلاف) کہیں اسے کوڑے کرکٹ پر پھینک دو۔

(مسند الدارمی ج۱ ص۶۷ ح۲۰۶ وسندہ صحیح، دین میں تقلید کا مسئلہ ص۳۷)

ابراہیم نخعی کے سامنے کسی نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول پیش کیا تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابلے میں تم سعید کے قول کو کیا کرو گے؟

(الاحکام لابن حزم ج۶ ص۲۹۳ وسندہ صحیح، دین میں تقلید کا مسئلہ ص۳۸)

تابعین میں سے کسی ایک سے بھی تقلید کا جواز یا وجوب ثابت نہیں ہے لہٰذا ان اقوال اور دیگر اقوال سے صاف ظاہر ہے کہ تقلید کے ممنوع ہونے پر تابعین کا بھی اجماع ہے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تمام ثقہ وصحیح العقیدہ تابعین اہلِ حدیث تھے۔

دلیل سوم: تبع تابعی حکم بن عتیبہ نے فرمایا: آپ لوگوں میں سے ہر آدمی کی بات لے بھی سکتے ہیں اور رد بھی کر سکتے ہیں سوائے نبی ﷺ کے۔ (الاحکام لابن حزم ۲۹۳/۶ وسندہ صحیح)

تبع تابعین میں سے کسی ایک ثقہ تبع تابعی سے تقلید شخصی و تقلید غیر شخصی کا کوئی ثبوت نہیں ہے لہٰذا اس پر بھی اجماع ہے کہ تمام ثقہ و صحیح العقیدہ تبع تابعین اہلِ حدیث تھے۔

دلیل چہارم: اتباع تبع تابعین میں سے ایک جماعت نے تقلید سے منع کیا ہے، مثلاً امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع کیا۔

دیکھئے کتاب الام (مختصر المزنی ص۱)

امام شافعی نے فرمایا: اور میری تقلید نہ کرو۔ (آداب الشافعی و مناقبہ لابن ابی حاتم ص۵۱ وسندہ حسن)

امام احمد نے فرمایا: اپنے دین میں ان میں سے کسی ایک کی بھی تقلید نہ کرو۔

(مسائل ابی داود ص۲۷۷)

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ طائفۂ منصورہ (اہلِ حق کا سچا گروہ) ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔ اس کی تشریح میں امام بخاری فرماتے ہیں: یعنی اس سے مراد اہل الحدیث ہیں۔

(مسألۃ الاحتجاج بالشافعی للخطیب ص۴۷ وسندہ صحیح)

امام قتیبہ بن سعید نے فرمایا: اگر تو کسی آدمی کو دیکھے کہ وہ اہلِ حدیث سے محبت کرتا ہے تو یہ شخص سنت پر (عمل پیرا) ہے۔ (شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص۱۳۴ ح۱۴۳ وسندہ صحیح)

امام احمد بن سنان الواسطی نے فرمایا: دنیا میں کوئی بھی ایسا بدعتی نہیں جو اہلِ حدیث سے بغض نہیں رکھتا۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص۴ وسندہ صحیح)

مزید حوالوں کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۹ ص۱۳ تا ۳۳

معلوم ہوا کہ تمام صحیح العقیدہ اور ثقہ اتباع تبع تابعین اہلِ حدیث تھے اور تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ دوسروں کو بھی تقلید سے روکتے تھے۔

دلیل پنجم: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ (امام) مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابو یعلیٰ اور البزار وغیرہم اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے، وہ علماء میں سے کسی کی

تقلید معین کرنے والے مقلدین نہیں تھے اور نہ مطلق طور پر مجتہد تھے۔

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۰ ص ۴۰)

معلوم ہوا کہ تمام صحیح العقیدہ وثقہ محدثین کرام تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اہلِ حدیث تھے۔ آج کل بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔ حافظ ابن تیمیہ کے درج بالا قول سے ان کے دعوے کی تردید ہوتی ہے کیونکہ مذکورہ محدثینِ کرام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک مطلق طور پر مجتہد نہیں تھے اور نہ تقلید کرتے تھے۔

یاد رہے کہ ان جلیل القدر محدثین کا مجتہد نہ ہونا محلِ نظر ہے۔ دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۵۱

دلیل ششم: تیسری صدی ہجری کے آخری دور میں فوت ہونے والے امام قاسم بن محمد القرطبی (متوفی ۲۷۶ھ) نے تقلید کے رد پر ایک کتاب ''**الإیضاح فی الرد علی المقلدین**'' لکھی۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۳۲۹ ت ۱۵۰)

دلیل ہفتم: چوتھی صدی ہجری میں فوت ہونے والے سچے امام ابوبکر عبداللہ بن ابی داود السجستانی (متوفی ۳۱۶ھ) نے فرمایا: اور تو اس قوم میں سے نہ ہونا جو اپنے دین سے کھیلتے ہیں ورنہ تو اہلِ حدیث پر طعن و جرح کر بیٹھے گا۔ (کتاب الشریعۃ للآجری ص ۹۷۵ وسندہ صحیح)

دلیل ہشتم: پانچویں صدی ہجری میں حافظ ابن حزم ظاہری اندلسی نے صدا بلند کی کہ اور تقلید حرام ہے۔ (النبذۃ الکافیہ فی احکام اصول الدین ص ۷۰)

دلیل نہم: حافظ ابن قیم الجوزیہ نے اعلان کیا: اور (تقلید کی) یہ بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے جس صدی کی مذمت رسول اللہ ﷺ نے اپنی (مقدس) زبان سے بیان فرمائی ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۰۸)

حافظ ابن قیم نے اپنے مشہور قصیدے ''نونیہ'' میں فرمایا: اے اہلِ حدیث سے بغض رکھنے اور گالیاں دینے والے! تجھے شیطان سے دوستی قائم کرنے کی ''بشارت'' ہو۔ (الکافیہ الشافیہ ص ۱۹۹)

دلیل دہم: پانچویں صدی ہجری میں فوت ہونے والے ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بن التمیمی البغدادی (متوفی ۴۲۹ھ) نے اپنی کتاب میں فرمایا: ''**في ثغور الروم والجزیرة**

وثغور الشام وثغور آذربيجان وباب الأبواب كلهم على مذهب أهل الحديث من أهل السنة ''روم، جزیرہ، شام، آذربیجان اور باب الابواب کی سرحدوں پر سارے لوگ اہلِ سنت میں سے اہلِ حدیث کے مذہب پر ہیں۔ (اصول الدین ص ۳۱۷)

مذکورہ (ودیگر) دلائل سے صاف ثابت ہے کہ اہلِ حدیث اہلِ سنت ہیں اور نبی کریم ﷺ کے دور سے لے کر ہر دور میں اہلِ حدیث موجود رہے ہیں۔ والحمدللہ

اب چند الزامی دلائل پیشِ خدمت ہیں:

دلیل نمبر ۱: مفتی رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے لکھا:

''تقریباً دوسری تیسری صدی ہجری میں اہلِ حق میں فروعی اور جزئی مسائل کے حل کرنے میں اختلافِ انظار کے پیشِ نظر پانچ مکاتبِ فکر قائم ہوگئے یعنی مذاہب اربعہ اور اہلِ حدیث۔ اس زمانے سے لیکر آج تک انہی پانچ طریقوں میں حق کو منحصر سمجھا جاتا رہا۔''

(احسن الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۱۶، مودودی صاحب اور تخریب اسلام ص ۲۰)

اس دیوبندی اعتراف سے معلوم ہوا کہ اہلِ حدیث ۱۰۱ ہجری اور ۲۰۱ ہجری سے روئے زمین پر موجود ہیں۔

دلیل نمبر ۲: تفسیر حقانی کے مصنف عبدالحق حقانی دہلوی نے کہا: ''اور اہل سنت شافعی حنبلی مالکی حنفی ہیں اور اہل حدیث بھی ان ہی میں داخل ہیں۔'' (حقانی عقائد الاسلام ص ۳)

یہ کتاب محمد قاسم نانوتوی کی پسند کردہ ہے۔ دیکھئے حقانی عقائد الاسلام کا آخر ص ۲۶۴

دلیل نمبر ۳: درج بالا حوالے کی رُو سے محمد قاسم نانوتوی دیوبندی نے بھی اہلِ حدیث کو اہلِ سنت قرار دیا ہے اور اہلِ سنت کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''ومن أهل السنة والجماعة مذهب قديم معروف قبل أن يخلق الله أباحنيفة ومالكاً والشافعي وأحمد فإنه مذهب الصحابة ...'' اور ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد کی پیدائش سے پہلے اہلِ سنت والجماعت میں سے ایک قدیم مشہور مذہب ہے، بے شک یہ مذہب صحابہ کا ہے... (منہاج السنۃ النبویہ ج ۱ ص ۲۵۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس حوالے سے معلوم ہوا کہ اہلِ حدیث اہلِ سنت ہیں اور مذاہبِ اربعہ کے وجود سے پہلے روئے زمین پر موجود ہیں۔ والحمدللہ

دلیل نمبر۴: مفتی کفایت اللہ دہلوی دیوبندی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہاں اہل حدیث مسلمان ہیں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں۔ ان سے شادی بیاہ کا معاملہ کرنا درست ہے۔ محض ترک تقلید سے اسلام میں فرق نہیں پڑتا اور نہ اہل سنت والجماعت سے تارک تقلید باہر ہوتا ہے۔'' (کفایت المفتی ج ۱ ص ۳۲۵ جواب: ۳۷۰)

دلیل نمبر۵: اشرف علی تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

''اگرچہ اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اُس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائر و منحصر ان چار میں ہے مگر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہل ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہلِ ہوی ہوں وہ اس اتفاق سے علیحدہ رہے دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جاوے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہیں ہوا۔'' (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۳۱)

خلاصۃ التحقیق: مفتی عبدالہادی وغیرہ جیسے کذابین کا یہ کہنا کہ ''اہلِ حدیث کا وجود انگریز کے دور سے پہلے نہ تھا'' بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔ علمائے حق کے حوالوں اور تقلیدیوں کے اعترافات و بیانات سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ تقلید نہ کرنے والے اہلِ حدیث کا وجودِ مسعود پہلی صدی ہجری سے لے کر ہر دور میں رہا ہے۔ دوسری طرف دیوبندی و تقلیدی فرقوں کا وجود خیر القرون کا مبارک دور گزر جانے کے بعد مختلف ادوار میں پیدا ہوا ہے مثلاً دیوبندی مذہب کی بنیاد ۱۸۶۷ء میں انگریزوں کے دور میں رکھی گئی۔

اشرف علی تھانوی دیوبندی سے پوچھا گیا کہ اگر تمھاری حکومت ہو جائے تو انگریزوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرو (گے)؟ انھوں نے جواب دیا:

''محکوم بنا کر رکھیں کیونکہ جب خدا نے حکومت دی تو محکوم ہی بنا کر رکھیں گے مگر ساتھ ہی اسکے نہایت راحت اور آرام سے رکھا جائے گا اس لئے کہ انھوں نے ہمیں آرام پہونچایا

ہے اسلام کی بھی تعلیم ہے اور اسلام جیسی تعلیم تو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں مل سکتی۔''

(ملفوظات حکیم الامت ج ۶ ص ۵۵ ملفوظ: ۱۰۷)

معلوم ہوا کہ انگریزوں نے دیوبندیوں کو بہت آرام پہنچایا تھا۔ ایک انگریز نے جب مدرسۂ دیوبند کا معائنہ کیا تو اس مدرسے کے بارے میں نہایت اچھے خیالات کا اظہار کر کے لکھا:

''یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد معاون سرکار ہے۔'' (محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری ص ۲۱۷، فخر العلماء ص ۶۰) انگریز سرکار کے اس موافق (حمایت وموافقت کرنے والے) ممد (مدد کرنے والے) اور معاون (تعاون کرنے والے) مدرسے کے بارے میں یہ ایک اہم حوالہ ہے جسے دیوبندیوں نے بذاتِ خود لکھا ہے اور کوئی تردید نہیں کی۔

اعتراض نمبر ۷: مفتی عبدالہادی دیوبندی وغیرہ کہتے ہیں کہ محدثین سب کے سب مقلد رہے ہیں۔

جواب: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے انگریزوں کے دور میں بننے والے مدرسۂ دیوبند کے بانی محمد قاسم نانوتوی کی پیدائش سے صدیوں پہلے محدثین (مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہم) کے بارے میں لکھا ہے: ''**فھم علٰی مذھب أھل الحدیث لیسوا مقلدین لواحد بعینه من العلماء ولاھم من الأئمة المجتھدین علی الاطلاق**''

پس وہ اہل حدیث کے مذہب پر تھے، علماء میں سے کسی کی تقلید معین کرنے والے مقلدین نہیں تھے اور نہ مجتہد مطلق تھے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۲۰ ص ۴۰)

صرف اس ایک حوالے سے بھی عبدالہادی (اور اس کے ہر حامی) کا کذاب ہونا ثابت ہے۔ یاد رہے کہ ثقہ وصحیح العقیدہ محدثین میں سے کسی ایک کا بھی مقلد ہونا ثابت نہیں ہے۔ طبقاتِ حنفیہ وغیرہ کتب کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کتابوں میں مذکور سارے لوگ مقلد تھے۔ عینی حنفی (!) نے کہا: مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے اور ہر چیز کی آفت تقلید کی وجہ سے ہے۔ (البنایہ فی شرح الہدایہ ج ۱ ص ۳۱۷)

زیلعی حنفی (!) نے کہا: پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے۔

(نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۱۹) نیز دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۹، ۴۶

اعتراض نمبر ۸: ہندوستان میں اہلِ حدیث کا وجود انگریزوں کے دور سے پہلے نہیں ملتا۔

جواب: چوتھی صدی ہجری کے مؤرخ محمد بن احمد بن ابی بکر البشاری المقدسی (متوفی ۳۷۵ھ) نے منصورہ (سندھ) کے لوگوں کے بارے میں کہا:

''مذا هبهم أكثر أصحاب حديث ورأيت القاضي أبا محمد المنصوري داوديًا إمامًا في مذهبه وله تدريس و تصانيف، قدصنف كتبًا عدة حسنةً''

ان کے مذاہب یہ ہیں کہ وہ اکثر اصحابِ حدیث ہیں اور میں نے قاضی ابو محمد منصوری کو دیکھا جو داودی تھے اور اپنے مذہب کے امام تھے۔ وہ تدریس وتصنیف پر کاربند تھے۔ انھوں نے کئی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ (احسن التقاسیم فی معرفۃ الأقالیم ص ۴۸۱)

داود بن علی الظاہری کے منہج پر عمل کرنے والے ظاہری کہلاتے تھے اور تقلید سے دور تھے۔

احمد شاہ درانی کو شکست دینے والے مغل بادشاہ احمد شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ (دورِ حکومت ۱۱۶۱ھ بمطابق ۱۷۴۸ء تا ۱۱۶۷ھ بمطابق ۱۷۵۳ء) کے دور میں فوت ہو جانے والے شیخ محمد فاخر الہ آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۴ھ بمطابق ۱۷۵۱ء) فرماتے ہیں کہ ''جمہور کے نزدیک کسی خاص مذہب کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اجتہاد واجب ہے۔ تقلید کی بدعت چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئی ہے۔'' (رسالہ نجاتیہ اردو مترجم ص ۴۱، ۴۲)

شیخ محمد فاخر مزید فرماتے ہیں: **''لکن أحق مذاهب اهل حدیث ست''**

مگر اہل حدیث کا مذہب دیگر مذاہب سے زیادہ حق پر ثابت ہے۔ (رسالہ نجاتیہ ص ۴۱)

معلوم ہوا کہ مدرسۂ دیوبند و مدرسۂ بریلی کی پیدائش سے بہت پہلے ہندوستان میں اہلِ حدیث موجود تھے لہٰذا یہ کہنا کہ ''انگریزوں کے دور سے پہلے اہل حدیث کے وجود کا ثبوت نہیں ملتا'' بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔ نیز دیکھئے جواب اعتراض نمبر ۶

اعتراض ۹: عبدالرحمٰن پانی پتی کہتا ہے کہ (مشہور اہلِ حدیث عالم) عبدالحق بنارسی (سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا کو مرتد کہتا تھا اور کہتا تھا کہ صحابہ کا علم ہم سے کم تھا۔ دیکھئے پانی پتی کی کتاب

کشف الحجاب ص ۴۶۔ عبدالحق بنارسی پر عبدالخالق نے تنبیہ الضالین ص ۱۳ میں تنقید کی ہے۔

جواب: عبدالرحمٰن پانی پتی ایک سخت فرقہ پرست تقلیدی تھا اور مولانا عبدالحق بنارسی کا سخت مخالف تھا۔ اس پانی پتی نے مذکورہ الزام کا کوئی حوالہ مولانا عبدالحق کی کسی کتاب سے پیش نہیں کیا اور نہ ایسی کوئی بات ان کی کسی کتاب میں موجود ہے لہٰذا عبدالرحمٰن پانی پتی نے تعصب ومخالفت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالحق بنارسی رحمہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے۔

عبدالخالق تقلیدی بھی مولانا عبدالحق کے مخالف گروہ کا ایک فرد تھا۔ میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے سسر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عبدالخالق صحیح العقیدہ اور سچا تھا۔ کتنے ہی دیوبندی سسر ایسے ہیں جن کے داماد اہلِ حدیث ہیں! یہ بات عام لوگوں کو معلوم ہے کہ کسی بھی شخص کی اپنے مخالف کے خلاف بے حوالہ اور بے ثبوت بات مردود ہوتی ہے۔

مولانا عبدالحق بنارسی کے بارے میں ابوالحسن ندوی کے باپ حکیم عبدالحئی (تقلیدی) نے لکھا ہے: ''**الشیخ العالم المحدث المعمر... أحد العلماء المشهورین**''

(نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۶)

اس کے بعد حکیم عبدالحئی نے مولانا عبدالحق کی گستاخی میں چند باطل باتیں لکھ کر محمد بن عبدالعزیز الزینبی سے نقل کیا کہ ''**ولم أربعیني أفضل منه**'' میں نے ان (عبدالحق بنارسی) سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۷) نیل الاوطار کے مصنف محمد بن علی الشوکانی نے اپنے شاگرد عبدالحق بنارسی کے بارے میں لکھا: ''**الشیخ العلامة ... کثر اللّٰه فوائده بمنه وکرمه ونفع بمعارفه ...**'' (نزہۃ الخواطر ۷/۲۶۸)

سید عبداللہ بن محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی نے لکھا: ''**الولد العلامة زینة أهل الإستقامة ذو الطریقة الحمیدة والخصال الشریفة المعمورة**'' بیٹا، علامہ، اہلِ استقامت کی زینت، اچھے طریقے والا اور اچھی شریف خصلتوں والا۔ (نزہۃ الخواطر ۷/۲۷۰)

علماء کی اس تعریف کے بعد مولانا عبدالحق بنارسی (متوفی ۱۲۷۶ھ بمطابق ۱۸۶۰ء) کے خلاف عبدالرحمٰن پانی پتی، عبدالخالق اور آلِ تقلید کا جھوٹا پروپیگنڈا کیا معنی رکھتا ہے؟

یاد رہے کہ منیٰ (مکہ مکرمہ) میں فوت ہونے والے مولانا بنارسی سے آلِ تقلید کو یہ دشمنی اور غصہ ہے کہ انھوں نے تقلید کے رد پر ایک کتاب ''الدر الفرید فی المنع عن التقلید'' لکھی اور وہ تقلید کے سخت خلاف تھے۔ رحمہ اللہ

اعتراض نمبر ۱۰: اہلِ حدیث نے انگریزوں کی حمایت کی ہے۔

جواب: ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں کے خلاف مسلمانوں اور کافروں نے جنگِ آزادی لڑی تو علماء سے جہاد کے بارے میں پوچھا گیا۔ علماء نے جہاد کے بارے میں فتویٰ دیا:

''درصورتِ مرقومہ فرض عین ہے۔''

اس فتوے پر اہلِ حدیث علماء میں سے ایک مشہور عالم سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ (سابق حنفی و بتحقیق اہلِ حدیث) کے دستخط روزِ روشن کی طرح چمک رہے ہیں۔ دیکھئے محمد میاں دیوبندی کی کتاب علماء ہند کا شاندار ماضی (ج۴ص ۱۷۹) جانباز مرزا (دیوبندی) کی کتاب ''انگریز کے باغی مسلمان'' (ص۲۹۳)

اس فتوے کے بعد جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تو سید نذیر حسین کو گرفتار کر کے راولپنڈی جیل میں ایک سال تک بند رکھا گیا، جبکہ دوسری طرف عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی نے رشید احمد گنگوہی اور محمد قاسم نانوتوی وغیرہما کے بارے میں لکھا:

''جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے۔'' (تذکرۃ الرشید ج۱ص ۷۹) ساری زندگی انگریز سرکار کے ''خیر خواہ ہی'' ثابت رہنے والوں کے بزرگ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی نے کہا: ''لڑنے کا کیا فائدہ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں۔'' (حاشیہ سوانح قاسمی ج۲ص ۱۰۳، علماء ہند کا شاندار ماضی ج۴ص ۲۸۰)

یہ بات سخت عجیب و غریب ہے کہ خضر علیہ السلام (اپنی وفات کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر) کس طرح انگریزوں کی فوج میں آ گئے تھے؟ دیوبندیوں کا خضر علیہ السلام کو انگریزی فوج میں شامل کرنا تاریخ کا بہت بڑا جھوٹ اور فراڈ ہے۔

تنبیہ: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے فتوے پر کسی ایک دیوبندی کے بھی دستخط نہیں ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

معراج جسمانی تھا

سوال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: ''(واقعۂ معراج میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک مفقود نہیں ہوا لیکن اللہ آپ کی روح کو لے گیا۔''

(تفسیر ابن جریر طبری ۹/۱۶ بحوالہ واقعۂ معراج اور اُس کے مشاہدات، حافظ صلاح الدین یوسف طبع دار السلام ص ۳۲)

پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ روایت صحیح ہے؟ اور اگر یہ روایت صحیح ہے تو کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صرف روحانی طور پر معراج کی قائل تھیں؟ (شعیب محمد، سیالکوٹ)

الجواب: روایتِ مذکورہ تفسیر ابن جریر الطبری میں درج ذیل سند و متن سے مذکور ہے:

''**حدثنا ابن حمید قال :ثنا سلمة عن محمد قال :ثني بعض آل أبي بکر أن عائشة کانت تقول :مافقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اللہ أسری بروحه**''

ہمیں (محمد) بن حمید (الرازی) نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں سلمہ (بن الفضل الابرش) نے حدیث بیان کی، وہ محمد (بن اسحاق بن یسار) سے بیان کرتے ہیں، کہا: مجھے آلِ ابی بکر میں سے بعض نے بتایا کہ (سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم (مبارک) غائب نہیں ہوا (تھا) لیکن اللہ نے آپ کو روحانی معراج کرائی۔ (ج ۱۵ ص ۱۳)

تحقیق: یہ روایت اُصولِ حدیث کی رُو سے ضعیف و مردود ہے۔ اس میں بعض آل ابی بکر راوی مجہول محض ہے، اس کا کوئی اتا پتا معلوم نہیں ہے۔ ایسے مجہول العین راوی کی روایت ضعیف و مردود ہوتی ہے۔

یہ بات بہت عجیب و غریب ہے کہ منکرینِ حدیث اور مخالفینِ کتاب و سنت ہمیشہ صحیح و ثابت روایات کو رد کر دیتے ہیں اور اس طرح کی بے سروپا مجہول و مردود قسم کی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا اصل مقصد اپنی بدعت اور گمراہی کی تائید ہوتا ہے اور بس!

عوام الناس کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر کوئی شخص قرآنِ مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دنیا کی کسی کتاب کا بھی حوالہ دے تو آنکھیں بند کرکے اس پر یقین نہ کریں بلکہ اصولِ حدیث کی روشنی میں سند و متن کی تحقیق کروائیں اور صحیح و ثابت ہونے کے بعد ہی اسے تسلیم کریں۔

تنبیہ بلیغ: تفسیر ابن جریر میں اسی سند کے ساتھ محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

''ثني يعقوب بن عتبة بن المغيرة بن الأخنس أن معاوية بن أبي سفيان كان إذا سئل عن مسري رسول ﷺ قال : كانت رؤيا من الله صادقة ''

مجھے یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ بن الاخنس نے حدیث بیان کی کہ (سیدنا) معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) سے جب رسول اللہ ﷺ کی معراج کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے: اللہ کی طرف سے (یہ) سچا خواب تھا۔ (۱۵/۱۳)

یہ روایت بھی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔ یعقوب بن عتبہ طبقۂ سادسہ (تبع تابعین) میں سے تھے، انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

معلوم ہوا کہ یہ دونوں روایتیں سرے سے ثابت ہی نہیں ہیں۔

تنبیہ: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے بذریعہ ٹیلی فون مجھے بتایا کہ انھوں نے اپنی مذکورہ کتاب میں یہ دونوں روایتیں لکھ کر ان کی تردید بھی کر رکھی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**هي رؤيا عين ، أريها رسول الله ﷺ ليلة أسري به إلى بيت المقدس** '' یہ (حقیقی) آنکھ کا دیکھنا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو بیت المقدس تک معراج والی رات دکھایا گیا۔ (صحیح بخاری: ۳۸۸۸)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

((بينا أنا عند البيت بين النائم و اليقظان .)) إلخ

میں بیت اللہ کے قریب نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔ الخ

(صحیح بخاری: ۳۲۰۷، صحیح مسلم: ۱۶۴/۴۱۶)

معلوم ہوا کہ معراج بیداری میں ہوئی تھی۔

جناتی بندر اور زنا

سوال: محمد رفیع مفتی ''ریسرچ فیلو ادارہ اشراق لاہور'' فرماتے ہیں کہ

''بخاری میں بھی غلط احادیث موجود ہیں مثلاً بخاری کی یہ حدیث کہ عمرو بن میمون کہتے ہیں: ''میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک بندریا کو دیکھا، اس نے زنا کیا تھا اور اس کے پاس بہت سے بندر جمع تھے (میرے سامنے) ان بندروں نے اسے سنگسار کیا (یہ دیکھ کر) میں نے بھی ان کے ساتھ اسے سنگسار کیا'' [بخاری، رقم: ۳۸۴۹] اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اور جانور دونوں ہی یکساں طور پر انسانی شریعت کے مکلّف ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے۔'' (ماہنامہ سوئے حرم لاہور۔ جولائی ۲۰۰۷ء)

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ محمد رفیع صاحب کی اس بات میں کتنی حقیقت ہے؟

(عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑا)

الجواب: محمد رفیع صاحب کی اس بات میں ذرا برابر حقیقت نہیں ہے کیونکہ روایتِ مذکورہ بلحاظ سند حسن لذاتہ و بلحاظِ متن بالکل صحیح ہے۔

اس کی مفصل تحقیق کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۴ ص ۲۰

روایتِ مذکورہ نہ حدیثِ رسول ہے اور نہ اثرِ صحابی بلکہ ایک تابعی کا قول ہے اور اس میں بندوروں سے مراد جن ہیں۔

دیکھئے فتح الباری (ج ۷ ص ۱۶۰) اور الحدیث حضرو: ۲۴ ص ۲۰

یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ جن مُکلّف مخلوق ہے اور جنوں کا مختلف اَشکال اختیار کرنا بھی ثابت ہے لہٰذا تابعی کے اس قول پر اعتراض عجیب و غریب ہے۔!

حرمتِ سود

سوال: سائل نے محمد رفیع مفتی صاحب سے سوال کیا کہ ''ہمارے ملک میں جو بھی کاروبار کیا جائے، اس کے لئے بنک سے سود پر قرض لینا پڑتا ہے۔ کیا سود دینا بھی اسلام میں اسی

طرح ممنوع ہے جیسے کہ سود لینا؟

محمد رفیع صاحب کا جواب ہے کہ

''بنک وغیرہ سے سود پر قرض لینا جائز ہے۔ اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ شریعت نے سود کھانے یعنی سود لینے سے منع کیا ہے، سود دینے سے نہیں۔ حدیث میں سود کھلانے والے کو بھی سود لینے والے ہی کی طرح مجرم قرار دیا گیا ہے۔ یہ سود کھلانے والا کون ہے۔ بعض علما نے سود دینے والے ہی کو سود کھلانے والا قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ سود کھلانے والا دراصل وہ ایجنٹ ہے، جو سود خور کے لئے گاہک لاتا، اس کی نمائندگی کرتا اور اس کے سودی نظام کو چلاتا ہے۔'' (ماہنامہ اشراق لاہور۔ اپریل ۲۰۰۷ء)

حیرت کی بات ہے کہ سود خور کے لئے گاہک لانے والا اور اس کے سودی نظام کو چلانے والا تو حدیث کی نظر میں مجرم ہے مگر جس کے لئے گاہک لایا جا رہا ہے یعنی جو سود پر قرض فراہم کرے گا اس کا کام حلال ٹھہرا۔ یہ بات سمجھ نہیں آئی۔ آپ مجھے بتلائیں کہ کیا رفیع صاحب کا فتویٰ درست ہے؟ (عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑا)

الجواب: محمد رفیع صاحب نے لکھا ہے کہ ''شریعت نے سود کھانے یعنی سود لینے سے منع کیا ہے، سود دینے سے نہیں۔''

عرض ہے کہ جب شریعت نے سود لینے سے منع کیا ہے تو پھر یہ فتویٰ ''بنک وغیرہ سے سود پر قرض لینا جائز ہے۔ اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔'' کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ **((لعن اللّٰہ آکل الربا و موکلہ و شاھدہ و کاتبہ .))** اللہ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے گواہ اور کاتب (لکھنے والے) پر لعنت فرمائی ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۳ ح ۳۷۲۵ وسندہ صحیح)

یہ حدیث سند و متن دونوں لحاظ سے صحیح ہے اور اس میں سماک بن حرب پر جرح مردود ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۲ ص ۱۷ تا ۲۳

اس حدیث کی سند اور مفہومی متن کو امام ترمذی (۱۲۰۶) اور ابن حبان (الاحسان

۵۰۰۳/ ۵۰۲۵) نے صحیح قرار دیا ہے۔ والحمدللہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت دوسری سند کے ساتھ مختصراً صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے اور سود کھلانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۵۹۷، وترقیم دارالسلام: ۴۰۹۲)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سُود کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ((هم سواء .)) یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۵۹۸، وترقیم دارالسلام: ۴۰۹۳)

تنبیہ بلیغ: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں تمام مدلسین کی معنعن روایات سماع یا متابعات وغیرہ پر محمول ہیں لہٰذا صحیحین کی روایات پر تدلیس کی جرح بالکل باطل اور مردود ہے۔ سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سُود کھانے اور سود کھلانے والے پر لعنت کی ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۳۴۷)

ان صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ سود کھانے، سود کھلانے، سودی کھاتہ لکھنے والے اور سود کے گواہ سب ملعون ہیں لہٰذا سود لینے والے اور سود دینے والے مثلاً مروّجہ تمام سودی بنک ایک جیسے مجرم ہیں۔

درج بالا تحقیق سے معلوم ہوا کہ بنک وغیرہ سے سود پر قرض لینا ناجائز اور حرام ہے اور اس میں زبردست شرعی قباحت ہے کیونکہ شریعت نے ایسے تمام کاموں کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا رفیع صاحب کا فتویٰ غلط اور باطل ہے۔ وما علينا إلا البلاغ . (۱/ اگست ۲۰۰۷ء)

امام سفیان ثوری اور طبقۂ ثالثہ کی تحقیق

سوال: سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس اور معنعن روایت کے بارے میں، آپ کے نزدیک راجح قول کیا ہے؟ (تنویر حسین شاہ، ہری پور)

جواب: سفیان ثوری کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ ثقہ امام اور امیر المومنین فی

الحدیث ہونے کے ساتھ مدلس بھی ہیں اور آپ ضعفاء وغیرہم سے تدلیس کرتے تھے لہٰذا آپ کی غیر صحیحین میں معنعن روایت ، عدمِ متابعت وعدمِ تصریحِ سماع کی صورت میں ضعیف ومردود ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا انھیں طبقۂ ثانیہ میں شمار کرنا صحیح نہیں بلکہ وہ طبقۂ ثالثہ کے فرد ہیں، جیسا کہ حاکم نیشاپوری نے انھیں طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔

(معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۶، جامع التحصیل ص ۹۹ و نور العینین طبع جدید ص ۱۳۸)

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا:

''وأما المدلسون الذين هم ثقات وعدول فإنا لا نحتج بأخبار هم إلاما بينوا السماع فيما رووا مثل الثوري والأعمش و أبي إسحاق وأضرابهم ....''

اور ایسے مدلس راوی جو ثقہ و عادل تھے تو ہم ان کی احادیث سے حجت نہیں پکڑتے سوائے اس کے کہ وہ تصریحِ سماع کریں جو انھوں نے روایت کیا ہے، مثلاً ثوری، اعمش، ابواسحاق اوران جیسے دوسرے.......... (الاحسان ج ۱ ص ۹۰، دوسرا نسخہ ص ۱۶۱، واللفظ لہ)

یہی تحقیق راجح اور صحیح ہے اور راقم الحروف نے اسے ہی نور العینین اور التاسیس فی مسئلۃ التدلیس (مطبوعہ ماہنامہ الحدیث: ۳۳) میں اختیار کیا ہے۔

یاد رہے کہ عبدالرشید انصاری صاحب کے نام میرے ایک خط (۱۴۰۸/۸/۱۹ھ) میں سفیان ثوری کے بارے میں یہ لکھا گیا تھا کہ

''طبقۂ ثانیہ کا مدلس ہے جس کی تدلیس مضر نہیں ہے۔'' (جرابوں پر مسح ص ۴۰)

میری یہ بات غلط ہے، میں اس سے رجوع کرتا ہوں لہٰذا اسے منسوخ وکالعدم سمجھا جائے، عینی حنفی لکھتے ہیں کہ'' **وسفيان من المدلسين والمدلس لا يحتج بعنعنته إلا أن يثبت سماعه من طريق آخر** ''اور سفیان (ثوری) مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی عن والی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاتی الا یہ کہ دوسری سند سے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ۱۱۲/۲) [۱۱/ محرم ۱۴۲۴ھ ، ۱۵/ مارچ ۲۰۰۳ء]

تنبیہ: یہ سوال وجواب ماہنامہ شہادت اسلام آباد (اپریل ۲۰۰۳ء ص ۳۹) میں بھی شائع ہوا تھا۔

اب کچھ اصلاح کے ساتھ اسے دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔ (۲/ اگست ۲۰۰۷ء)

سجدوں سے کیسے اٹھا جائے؟

سوال: جلسۂ استراحت اور تشہد کے بعد، اٹھتے وقت ہتھیلیوں کے بل زمین پر ٹیک لگا کر اُٹھنا چاہیئے یا غریب الحدیث للحربی کی روایت کے مطابق مٹھیاں بند کر کے، بند مٹھیوں پر اعتماد کر کے اٹھیں۔ [جیسا کہ علامہ البانی نے تمام المنہ میں بیان کیا ہے۔
(قال الالبانی حسن/ فی الضعیفہ ۳۹۲/۲)]

۲۵ نومبر ۱۹۹۴ء کو مولانا محبّ اللہ شاہ راشدی صاحب کا ایک مضمون ''الاعتصام'' میں شائع ہوا۔ لکھا تھا کہ کامل بن طلحہ کی روایت میں ''اعتمد علی الأرض بیدیه'' کے الفاظ ہیں اور یدین سے مراد ''کفین'' بہت سی احادیث میں دیکھا جاسکتا ہے۔ مٹھی بند کر کے اس پر ٹیک لگا کر اٹھنا ''اعتماد علی الأنملة'' ہے نہ کہ علی الیدین ہے۔ لہٰذا ہتھیلیاں زمین پر ٹیک کر اٹھنا چاہیئے۔

مزید لکھتے ہیں: ہیثم کی روایت میں ''یَعْجِن'' کی زیادتی ہے۔ کامل بن طلحہ، ہیثم سے اوثق ہیں اور انھوں نے یہ زیادتی ذکر نہیں کی۔ ہیثم نے اوثق راوی کی مخالفت کی ہے لہٰذا یہ روایت شاذ ہے۔ مولانا ارشاد الحق اثری فیصل آبادی (حفظہ اللہ) فرماتے ہیں کہ ہیثم کی روایت شاذ نہیں بلکہ اس میں زیادہ تفصیل ہے۔ مٹھیوں کے بل اٹھنے پر دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے۔

مولانا! آپ کی اس بارے میں کیا تحقیق ہے؟ (صفدر حسین، شیخ صاحب قسطوں والے، لاہور)

الجواب: ابو اسحاق الحربی کی روایتِ مذکورہ کا ایک راوی ہیثم بن عمران الدمشقی ہے جسے ابن حبان کے علاوہ کسی نے بھی ثقہ قرار نہیں دیا لہٰذا یہ راوی مجہول الحال ہے۔ حدیث کے عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ مجہول الحال کی منفرد روایت ضعیف ہوتی ہے۔

تفصیلی تحقیق کے لئے دیکھئے محترم محمد علی خاصخیلی کی کتاب ''التبیین فی مسئلۃ التعجین / نماز میں اٹھتے وقت آٹا گوندھنے والے کی طرح اُٹھنے کی علمی تحقیق'' جسے مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ، اہلِ حدیث چوک کورٹ روڈ کراچی سے شائع کیا گیا ہے۔

یاد رہے کہ روایتِ مسئولہ میں وجہ ٔضعف صرف ہیثم بن عمران کا مجہول ہونا ہے۔ کامل بن طلحہ کے تفرد اور شذوذ کا اعتراض مردود ہے۔ ہیثم بن عمران کی توثیق ثابت کرنے کے لئے شیخ البانی رحمہ اللہ نے جو قاعدہ بنایا ہے وہ کئی وجہ سے مردود ہے مثلاً:

سنن ابی داود (۳۴۸۹) کی ایک روایت میں آیا ہے ''**من باع الخمر فليشقص الخنازير**'' اس کا ایک راوی عمر بن بیان التغلبی ہے جس سے ایک جماعت نے حدیث بیان کی ہے اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ابو حاتم الرازی نے کہا: ''**معروف**'' لیکن شیخ البانی نے عمر بن بیان کو مجہول الحال کہہ کر اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے الضعیفہ (۱۰/۱۷۔۷۰ ح ۴۵۶۶)

خلاصۃ التحقیق: آٹا گوندھنے کی طرح اٹھنے والی روایت ضعیف ہے لہٰذا زمین پر سجدہ میں جانے کی طرح ہاتھ ٹیک کر اٹھنا چاہئے۔ (۸/ اگست ۲۰۰۷ء)

موت کے وقت کلمہ پڑھنا

سوال: ایک کلمہ گو مسلمان ساری عمر شرک و بدعات کے کام کرتا رہا اور مرتے وقت اس کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری ہو جاتا ہے کیا ایسے آدمی کیلئے بھی ''**دخل الجنة**'' والی حدیث صادق آتی ہے نیز کلمہ گو مشرک کا جنازہ پڑھنا سنت سے ثابت ہے جبکہ آخری کلام کلمہ ہو۔

جواب: جو شخص دین اسلام کا مخالف ہو مثلاً یہودی، عیسائی وغیرہ اس شخص کا آخری عمر میں کلمہ شہادت پڑھنا اس کیلئے مفید ہے۔ رہا وہ شخص جو یہ کلمہ پڑھ کر بھی کفر و شرک کرتا تھا مثلاً مرزائی وغیرہ تو جب تک وہ اپنے کفر و شرک سے برأت نہیں کرے گا اس کا کلمہ پڑھنا چنداں مفید نہیں ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''**من قال لا إله إلا الله و كفر بما يعبد من دون الله حرم ماله و دمه و حسابه على الله**'' جس نے لا اِلٰہ اِلا اللہ کہا اور اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے اس کا انکار کیا تو اس کا مال اور خون حرام ہے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۳)

اس میں استدلال ''کفر بما يعبد من دون الله'' سے ہے۔ مزید تفصیل کیلئے صحیح مسلم کا باب مذکور مع شروح دیکھ لیں۔ [ماہنامہ شہادت، اگست ۲۰۰۰ء] (دوبارہ ۱۰/ ستمبر ۲۰۰۷ء)

حافظ زبیر علی زئی

مقدمة الدين الخالص

(عذابِ قبر)

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين ، أما بعد :

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ج﴾ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قولِ ثابت کے ساتھ دنیاوی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ (ابراہیم:۲۷)

اس کی تشریح وتفسیر میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((إذا أقعد المؤمن في قبره أتي ، ثم شهد أن لا إله إلا الله و أن محمدًا رسول الله .))

جب مومن کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے (اور فرشتوں کو) لایا جاتا ہے پھر وہ لا إلٰـه إلا اللّٰـه اور محمد رسول الله کی گواہی دیتا ہے، اس آیت میں یہ مراد ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر ح ۱۳۶۹، صحیح مسلم :۲۸۷۱)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ ہم انھیں دو دفعہ عذاب دیں گے۔ (التوبہ:۱۰۱)

اس آیت کی تشریح میں مشہور تابعی اور مفسرِ قرآن قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عذاباً فی الدنیا وعذاباً فی القبر'' ایک عذاب دنیا میں اور ایک عذاب قبر میں۔

(تفسیر ابن جریر الطبری ج ۱۱ ص ۹ وسندہ صحیح)

دیگر آیات کے لئے دیکھئے امام بیہقی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب شعب الایمان (ج ۱ ص ۳۵۴، ۳۵۵) اور کتاب اثبات عذاب القبر .

عذابِ قبر کا ثبوت متواتر احادیث سے ملتا ہے جنھیں روایت کرنے والے صحابۂ کرام میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (صحیح بخاری:۱۳۷۲، صحیح مسلم:۵۸۶)

② سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما (صحیح بخاری:۱۳۷۳، صحیح مسلم:۹۰۵)

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری:۱۳۷۴، صحیح مسلم:۲۸۷۰)

④ سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری:۱۳۷۵، صحیح مسلم:۲۸۶۹)

⑤ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری:۱۳۷۷، صحیح مسلم:۵۸۸)

⑥ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری:۱۳۷۸، صحیح مسلم:۲۹۲)

⑦ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم:۲۸۶۷)

⑧ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری:۱۳۶۹، صحیح مسلم:۲۸۷۱)

⑨ خالد بن سعید بن العاص کی بیٹی (ام خالد الامویہ) رضی اللہ عنہا (صحیح بخاری:۱۳۷۶)

⑩ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری:۶۳۶۵)

نیز دیکھئے نظم المتناثر من الحدیث المتواتر للکتانی (ص۱۳۴ ح۱۱۳)

عذابِ قبر کا مسئلہ تو بہت بڑا ہے، عذابِ قبر کی جزئیات والی بعض احادیث بھی متواتر ہیں مثلاً:

① قبر میں دو فرشتوں (منکر ونکیر) کا سوال کرنا (نظم المتناثر ص۱۳۲ ح۱۱۱)

② سوال کے وقت بدن میں اعادۂ روح (نظم المتناثر ص۱۳۳ ح۱۱۲)

③ عذابِ قبر سے پناہ مانگنا (نظم المتناثر ص۱۳۵ ح۱۱۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ سنت کے متعدد علماء نے اپنے بیانات میں عذابِ قبر کے عقیدے کی صراحت فرمائی ہے مثلاً:

۱۔ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے ﴿مَعِيشَةً ضَنكًا﴾ تنگی والی زندگی (طٰہٰ:۱۲۴) کی تشریح میں فرمایا: ''**يضيق عليه قبره حتى تختلف أضلاعه**''

اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں دھنس جاتی ہیں۔

(کتاب اثبات عذاب القبر للبیہقی بتحقیقی:۵۸ وسندہ صحیح)

۲۔ اسی آیت کی تشریح میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**عذاب القبر**''

یعنی اس سے مراد عذابِ قبر ہے۔ (عذاب القبر للبیہقی:۶۰ وسندہ حسن، وکتاب الزہد لہناد بن السری:۳۵۲ وسندہ حسن، عبداللہ بن المخارق وثقہ ابن حبان والحاکم والذہبی وروی عنہ جماعۃ وقال ابن معین: مشہور)

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف روایت میں آیا ہے کہ سورۃ الملک (کی تلاوت) عذابِ قبر سے بچاتی ہے۔ (عذاب القبر للبیہقی: ۱۴۵، وسندہ حسن، وصححہ الحاکم ۲/۴۹۸ ح ۳۸۳۹ ووافقہ الذہبی)
نیز دیکھئے عذاب القبر (ح ۲۲۳ وسندہ حسن) وتہذیب الآثار للطبری (مسند عمر ۱/۲۵۶ ح ۲۴۹۵ وسندہ حسن)

۳۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب نابالغ بچے کی نماز جنازہ پڑھتے تو فرماتے: اے اللہ! اسے عذاب قبر سے بچا۔ (الموطأ ۱/۲۲۸ ح ۵۳۷ وسندہ صحیح، عذاب القبر للبیہقی: ۱۶۰، وسندہ صحیح)

۴۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کافر پر اس کی قبر میں ایک گنجا سانپ مسلط کیا جاتا ہے جو اس کا گوشت کھاتا ہے۔ الخ (عذاب القبر: ۲۲۹ وسندہ صحیح) نیز دیکھئے الزہد لہناد (۳۵۴ وسندہ حسن)

۵۔ صحیح مسلم کے بنیادی راوی، مشہور تابعی و مفسر اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کی تشریح میں فرمایا: ''**عذاب القبر**'' یعنی اس سے مراد عذاب قبر ہے۔
(عذاب القبر للبیہقی: ۶۲ وسندہ صحیح)

۶۔ عبداللہ بن فیروز الداناج (ثقہ تابعی) سے روایت ہے کہ میں اس وقت (وہاں) موجود تھا جب ایک آدمی نے (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے ایسے لوگوں کے بارے میں پوچھا جو عذابِ قبر کو جھٹلاتے ہیں تو انھوں نے فرمایا: ''**فلا تجالسوا أولئك**'' تم ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ (عذاب القبر للبیہقی: ۲۳۳ وسندہ صحیح)

۷۔ یزید بن عبداللہ بن الشخیر (ثقہ تابعی) کے بیان کردہ قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی عذابِ قبر کے قائل و معتقد تھے۔ دیکھئے عذاب القبر للبیہقی (ح ۲۳۸ وسندہ صحیح)

۸۔ قتادہ کا قول شروع میں گزر چکا ہے۔

۹۔ ابو صالح عبدالرحمٰن بن قیس الحنفی الکوفی (تابعی) نے تنگی والی زندگی کے بارے میں فرمایا: ''**عذاب القبر**'' (کتاب الزہد لہناد بن السری: ۳۵۳ وسندہ صحیح)

تنبیہ: یہاں حنفی سے مراد قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک فرد ہونا ہے۔

۱۰۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عذابِ ثانی کو ''**عذاب القبر**'' کہا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم ۶/۱۸۷۰ ح ۱۰۳۰۳، وسندہ حسن)

۱۱۔ مکحول شامی (تابعی) نے شہید کے بارے میں فرمایا کہ وہ عذابِ قبر سے بچایا جاتا ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ۵/۳۳۱ ح ۱۹۴۶۰ وسندہ صحیح)

ان احادیثِ متواترہ اور آثارِ متواترہ کی روشنی میں اہلِ سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ عذابِ قبر برحق ہے۔

عذابِ قبر کے بارے میں صحیح مسلم کے شارح محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی (متوفی ۸۲۸ھ) لکھتے ہیں: ''**تواتر و أجمع علیه أهل السنة و أنكرته المبتدعة**''
یہ متواتر ہے اور اہلِ سنت کا اسی پر اجماع ہے اور اہلِ بدعت نے اس کا انکار کیا ہے۔
(اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۱۲۳ تحت ح ۲۹۲)

ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (متوفی ۶۷۶ھ) نے کہا:
''**اعلم أن مذهب أهل السنة اثبات عذاب القبر و قد تظاهرت علیه دلائل الكتاب و السنة**'' جان لو! کہ اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ عذابِ قبر ثابت ہے اور اس پر کتاب وسنت کے واضح دلائل موجود ہیں۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۵ تحت ح ۲۸۶۶)

حافظ ابن حجر نے عذابِ قبر کے عقیدے کو ''**جمیع أهل السنة**'' یعنی سارے اہلِ سنت کا عقیدہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری (ج ۳ ص ۲۳۳ تحت ح ۱۳۶۹)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عذابِ قبر کے بارے میں فرماتے ہیں:
''**هذا قول السلف قاطبة و أهل السنة و الجماعة و إنما أنكر ذلك فی البرزخ قلیل من أهل البدع**'' یہ تمام سلف صالحین اور اہلِ سنت والجماعت کا قول ہے (کہ عذابِ قبر حق ہے) اور اس کا انکار صرف تھوڑے سے بدعتیوں نے کیا ہے۔
(مجموع فتاویٰ ج ۴ ص ۲۶۲)

ابن ابی العز الحنفی نے لکھا ہے کہ ''**وقد تواترت الأخبار عن رسول اللّٰه ﷺ في ثبوت عذاب القبر و نعیمه لمن كان لذلك أهلاً و سؤال الملكین فیجب اعتقاد ثبوت ذلك و الإیمان به و لا نتكلم في كیفیته إذلیس للعقل وقوف**

على كيفيته لكونه لا عهد له به في هٰذا الدار والشرع لا يأتي بما تحيله العقول ولكنه قد يأتي بما تحار فيه العقول فإن عود الروح إلى الجسد ليس على الوجه المعهود فى الدنيا بل تعاد الروح إليه اعادة غير الإعادة المالوفة فى الدنيا ...''

اور یقیناً رسول اللہ ﷺ سے عذاب القبر ، قبر کی نعمتوں اور قبر میں فرشتوں کے سوال (وجواب) کے متعلق تواتر کے ساتھ احادیث مروی ہیں، اس شخص کے لئے جو اس کا مستحق ہے۔ ان احادیث پر اعتقاد رکھنا اور ایمان لانا ضروری ہے البتہ ان کی کیفیت کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ اس لئے کہ عقل ان کی کیفیت معلوم کرنے سے قاصر ہے اور اس جہانِ دنیا میں اس کا علم ممکن نہیں، نیز شریعت ایسی باتوں کا ذکر نہیں کرتی جنھیں (انسانوں کی) عقلیں محال سمجھتی ہیں، البتہ ایسی باتوں کا ذکر کرتی ہے جس میں عقلیں حیران ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ روح کا جسم میں واپس آنا اس طرح نہیں جس طرح دنیا میں معروف ہے بلکہ روح کا اعادہ (برزخی ہے اور) اس اعادے کے خلاف ہے جو دنیا میں معلوم ہے...

(شرح عقیدہ طحاویہ ص ۴۵۰، ۴۵۱)

ان واضح دلائل اور ائمۂ دین وعلمائے اسلام کی تصریحات کے باوجود بعض اہلِ بدعت عقیدۂ عذابِ قبر کا انکار کرتے ہیں جن میں درج ذیل گروہ زیادہ مشہور ہیں:

① بعض معتزلہ ② خوارج ③ جہمیہ ④ منکرینِ حدیث ⑤ روافض

دیکھئے احادیث حیاۃ البرزخ فی الکتب التسعۃ (ص ۳۹ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت، لبنان)

مُلک یمن میں میری بعض ایسے رافضی نماز یدیوں سے بھی ملاقات ہوئی تھی جو عذابِ قبر کا علانیہ انکار کرتے تھے۔ یہ لوگ سلف صالحین کے بجائے ضرار بن عمرو، یحییٰ بن کامل اور بشر بن غیاث المریسی جیسے گمراہوں کے پیروکار ہیں جبکہ یہ عقیدہ صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

صاحبِ شرح العقیدۃ الطحاویۃ ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' وذهب إلى موجب هذا الحديث جميع أهل السنة والحديث وله شواهد من الصحيح ''تمام اہلِ سنت اور اہلِ حدیث اس حدیث سے ثابت شدہ موقف کے حامی ہیں اور صحیح میں اس کے شواہد ہیں۔ (شرح عقیدہ طحاویہ بتحقیق احمد شاکر ص ۳۴۷)

برادرِ محترم مولانا ابو جابر عبداللہ دامانوی حفظہ اللہ اپنے دور میں گمراہ فرقوں اور اہلِ بدعت کے خلاف ننگی تلوار ہیں۔ انھوں نے اپنے اس جہادِ مسلسل میں منکرینِ عذاب القبر اور مکفّرین ائمۃ المسلمین کو آڑے ہاتھوں لے کر کتاب وسنت کے دلائل کے ساتھ ان گمراہوں کے پرخچے اُڑا دیئے ہیں۔ عذابِ قبر کے اثبات اور منکرینِ عذابِ قبر کی تردید والی یہ کتاب ''الدین الخالص'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کو دنیا اور آخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے، صحتِ کاملہ کے ساتھ لمبی زندگی اور وسائل مطلوبہ بخشے تاکہ وہ مسلکِ حق کو دن بدن سربلند کرنے اور باطل کو ہر محاذ پر شکست دینے میں مصروف رہیں۔ آمین (۲۶/ اپریل ۲۰۰۷ء)

[یہ مقدمہ ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی حفظہ اللہ کی کتاب پر لکھا گیا ہے۔]

[تقلید اور دلیلِ شرعی]

احمد یار نعیمی بریلوی لکھتے ہیں: ''اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ان کا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے، تقلید میں ہوتا ہے: دلیل شرعی کو نہ دیکھنا، لہٰذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد اسی طرح صحابۂ کرام وآئمۂ دین حضور علیہ السلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی ہے کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے۔'' (جاء الحق ج ا ص ۱۶)

معلوم ہوا کہ تقلید کرنے والا قرآن وحدیث واجماع کو نہیں دیکھتا بلکہ آنکھیں بند کر کے اپنے مقرر کردہ امام وپیشوا کی بلا دلیل اندھا دھند پیروی کرتا ہے۔

تذکرۃ الاعیان | حافظ زبیر علی زئی

شیخ العرب والعجم بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

اس مختصر مضمون میں شیخ العرب والعجم امام حافظ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندھی رحمہ اللہ کے بارے میں بعض معلومات پیشِ خدمت ہیں:

نام ونسب: ابو محمد بدیع الدین شاہ بن سید احسان اللہ شاہ راشدی بن سید ابو تراب رشد اللہ شاہ بن پیر رشید الدین شاہ بن پیر محمد یٰسین شاہ پیر جھنڈ و اول بن پیر محمد راشد شاہ الراشدی الحسینی السندھی رحمہ اللہ

ولادت: آپ ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء بمطابق ۱۳۴۲ھ بمقام گوٹھ فضل اللہ شاہ (سابق گوٹھ پیر جھنڈا) نزد نیو سعید آباد تحصیل ہالا ضلع حیدر آباد سندھ میں پیدا ہوئے۔

رموزِ راشدیہ (ص ۱۱) میں پیدائش ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء مذکور ہے اور محمد اسحاق بھٹی صاحب نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ دیکھئے برصغیر کے اہلِ حدیث خدامِ قرآن (ص ۱۰۲) لیکن شاہ صاحب کے صاحبزادے نور اللہ الراشدی نے ۱۳۹۸/۳/۲ھ میں آپ کی پیدائش ۱۲ مئی ۱۹۲۶ء لکھی ہے۔ (دیکھئے ترجمۃ المؤلف / توحید خالص ص ۳) پروفیسر محمد یوسف سجاد صاحب نے اسی تاریخ پر اعتماد کیا ہے۔ (دیکھئے تذکرہ علماءِ اہلِ حدیث ج ۲ ص ۱۵۶)

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی صاحب نے تاریخ پیدائش ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء لکھی ہے۔ (اصحابِ علم وفضل ص ۴۴)

اس سلسلے میں شاہ صاحب کے پوتے محترم نصرت اللہ شاہ صاحب سے رابطہ کیا تو انھوں نے بتایا کہ آپ ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء بمطابق ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات تقریباً تین بجے پیدا ہوئے۔

اساتذۂ کرام: آپ کے چند مشہور اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

ابو محمد عبدالحق بن عبدالواحد الہاشمی بہاولپوری مہاجر مکی، ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری فاتح قادیان،

حافظ عبداللہ روپڑی، ابواسحاق نیک محمد امرتسری، محبّ اللہ شاہ راشدی اور بیہقی زمان ابوسعید شرف الدین دہلوی وغیرہم۔

تصانیف: سید ابو محمد بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ کی عظیم الشان تصانیف میں سے بعض کا ذکر و تعارف درج ذیل ہے:

عربی تصانیف:

۱: الطوام المرعشة في بيان تحريفات أهل الرأى الملاهشة.

اس کتاب میں شاہ صاحب نے تقلیدی حضرات کی تحریفات اور اکاذیب کا پردہ چاک کیا ہے تاکہ عامۃ المسلمین ان لوگوں کے شر سے محفوظ رہیں۔ یہ کتاب عظیم محقق مولانا صلاح الدین مقبول احمد حفظہ اللہ کی تحقیق سے کویت سے چھپ چکی ہے۔ میرے پاس اس کتاب کا قلمی مصور نسخہ بھی موجود ہے۔ والحمد للہ

۲: عين الشين بترك رفع اليدين.

یہ کتاب ۱۱۲ سے زیادہ صفحات پر مطبوع ہے جس میں ہاشم ٹھٹھوی تقلیدی کا بہترین رد کیا گیا ہے۔

۳: جلاء العينين بتخريج روايات البخاري في جزء رفع اليدين.

۱۹۲ سے زیادہ صفحات والی یہ کتاب کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔ مولانا ارشاد الحق اثری کے حواشی اور استاذِ محترم مولانا فیض الرحمٰن ثوری رحمہ اللہ سے اخذ شدہ فوائد کے ساتھ یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ شاہ صاحب نے اس جلیل القدر کتاب میں امام بخاری کی مشہور و ثابت کتاب جزء رفع الیدین کی تحقیق و تخریج کر کے منکرینِ رفع الیدین کو شکست فاش دے دی ہے۔

٤: التعليق المنصور على فتح الغفور في تحقيق و ضع اليدين على الصدور.

یہ شیخ محمد حیات السندھی رحمہ اللہ کے رسالے کی تحقیق و تخریج ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نماز میں (مردوں اور عورتوں کو) سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔

۱۳۶ صفحات میں اس کی کمپوزنگ ہو چکی ہے جسے برادر محترم ذوالفقار بن ابراہیم الاثری حفظہ اللہ نے مدینہ طیبہ سے راقم الحروف کے پاس برائے مراجعت بھیجا ہے۔ میرے پاس

برادرِ محترم عبدالعزیز السّلفی (کاتب) کے لکھے ہوئے قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ بھی موجود ہے جس کے ۶۸ صفحات ہیں۔

۵: السمط الإبريز حاشية مسند عمر بن عبدالعزيز تاليف ابن الباغندي.

یہ کتاب مولانا عبدالتواب ملتانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۶ھ) کے حاشیے کے ساتھ قدیم خطی انداز میں ۴۷ صفحات پر مطبوع ہے۔ اس کتاب میں محدث ابن الباغندی البغدادی نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مرویات کو اپنی اسانید کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب ایک متروک و مبتدع محمد عوامہ کی تخریج و تعلیق سے بھی مطبوع ہے۔ دونوں کتابوں کے موازنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوامہ مذکور نے شاہ صاحب کی تحقیقات و تعلیقات کو جا بجا چرایا ہے۔ مثلاً:

عبداللہ بن محمد بن ابی اسامہ الحلبی نے ''**ثنا أبي عن مبشر بن إسماعيل عن نوفل**'' کی سند سے رفع یدین کی ایک حدیث بیان کی ہے۔ (مسند عمر بن عبدالعزیز: ۱۰، ۱۱، نسخہ محمد عوامہ: ۱۱، ۱۲، معجم شیوخ ابن الاعرابی ۲/ ۳۵۰ ح ۲۰۶۷، شعار اصحاب الحدیث لابی احمد الحاکم: ۵۱، الارشاد للخلیلی ۲/ ۴۸۰)

عبداللہ بن محمد بن ابی اسامہ الحلبی سے طبرانی، دولابی، ابوعوانہ الاسفرائنی، ابن ابی حاتم، ابن صاعد اور ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم وغیرہ متاخرین نے روایت بیان کی ہے۔

تاریخ دمشق لابن عساکر (۳۴/ ۱۱۵، ۱۱۶) الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث للخلیلی (۲/ ۴۸۰) اور تاریخ الاسلام للذہبی (۲۱/ ۲۰۹ وفیات ۲۸۱ھ تا ۲۹۰ھ) میں اس کے حالات موجود ہیں۔

محدث خلیلی نے کہا: ''**صاحب غرائب ، روى عنه ابن صاعد و أقرانه و أبو نعيم الجرجاني و آخر من روى عنه الطبراني وهو ثقة**'' صاحب غرائب ہے، اس سے ابن صاعد، ان کے معاصرین اور ابو نعیم الجرجانی نے روایت بیان کی ہے اور سب سے آخر میں اس سے روایت کرنے والے طبرانی تھے اور وہ ثقہ ہیں۔ (الارشاد ۲/ ۴۸۰)

ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اس سے روایت بیان کی۔ (المسند المستخرج طبعہ جدیدۃ ۴/ ۶۱ ح ۵۸۶۰)

حاکم نے اس کی ایک حدیث کو صحیح کہا۔ (المستدرک ۳/ ۳۲۳ ح ۵۴۰۵)

معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری کا یہ راوی کم از کم صدوق وحسن الحدیث ہے۔
تنبیہ: کتاب الجرح والتعدیل میں ایک راوی عبداللہ بن اسامہ ابواسامہ الحلبی کا ذکر موجود ہے جس کے بارے میں ابن ابی حاتم نے کہا: ''کتبت عنه مع أبي وهو ثقة صدوق'' (۱۰۵/۵ تا ۴۶) واللہ اعلم
شیخ بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ نے ابن ابی اسامہ الحلبی کے بارے میں حافظ ابن حبان کی کتاب المجروحین (۵۰/۲) سے جرح نقل کی کہ وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور (امام) بخاری اس پر شدید جرح کرتے تھے۔ (السمط الابریز ص ۱۸)
حالانکہ یہ مجروح راوی الحلبی نہیں بلکہ الاسامی ہے اور الحلبی کے مقابلے میں متقدمین میں سے ہے۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ راوی ہیں۔
ابن ابی اسامہ کا والد محمد بن (بہلول) ابی اسامہ الحلبی بھی موثق ہے۔ اس سے ابوزرعۃ الدمشقی، یعقوب بن سفیان الفارسی (المعرفۃ والتاریخ ۳۶۴/۲) اور محمد بن عوف الحمصی وغیرہ نے روایت بیان کی ہے اور ابوحاتم الرازی نے کہا: ليس به بأس (الجرح والتعدیل ۲۰۹/۷)
معلوم ہوا کہ یہ راوی ثقہ وصدوق ہے لیکن شاہ صاحب نے محمد بن اسامہ (مدنی) کے بارے میں میزان الاعتدال سے نقل کیا کہ '' لا أعرفه'' (السمط الابریز ص ۱۸)
حالانکہ یہ راوی اور ہے اور مدنی اور ہے۔ مدنی اور حلبی دو مختلف راوی ہیں۔ محمد عوامہ تقلیدی نے شاہ صاحب کی تقلید کرتے ہوئے عبداللہ بن محمد بن ابی اسامہ الحلبی پر جرح کر دی ہے اور محمد بن ابی اسامہ کے بارے میں لکھا ہے: ''ينظر القول فيه'' (مسند عمر بن عبدالعزیز ص ۵۵)

۶: انماء الزكن في تنقيد انهاء السكن .

اس کتاب میں شاہ صاحب نے ظفر احمد تھانوی دیوبندی کی کتاب ''انہاء السکن'' کا رد کیا ہے اور یہ کتاب کویت سے ''نقض قواعد فی علوم الحدیث'' کے نام سے ۴۷۸ صفحات میں مطبوع ہے لیکن مطبوعہ میں کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کی غلطیاں کثرت سے ہیں جن سے شاہ صاحب بری ہیں۔

۷: زيادة الخشوع بوضع اليدين فى القيام بعد الركوع.

رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنے چاہئیں؟ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور دونوں طرح عمل جائز ہے اگرچہ ہاتھ چھوڑنا بہتر ہے۔ شاہ صاحب نے اس رسالے میں اول الذکر کو ترجیح دی ہے جبکہ آپ کے بڑے بھائی مولانا محبّ اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ ثانی الذکر کو ترجیح دیتے تھے۔ اس رسالے کا جواب مبلّغ اہلِ حدیث مولانا عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۹۱ء) کی طرف سے ''**مايجوز فى القيام بعد الركوع وضع اليدين أم ارسال اليدين**'' کے نام سے مطبوع ہے۔

۸: منجد المستجيز لرواية السنة والكتاب العزيز .

یہ رسالہ شاہ صاحب کی اسانید کا مجموعہ ہے جو آپ اپنے شاگردوں اور مستجیزین کو مرحمت فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے دستخطوں اور مہر کے ساتھ ۱۴۰۶/۷/۸ھ کو یہ اجازت نامہ مجھے بھی عطا فرمایا تھا۔ اس میں ایک مقام پر آپ نے اپنی صحیح بخاری کی سند درج ذیل الفاظ میں رقم کی:

'' فأخبرني الشيخ عبدالحق الهاشمي قال: أخبرنا أحمد بن عبدالله بن سالم البغدادي عن عبدالرحمن بن حسن بن محمد بن عبدالوهاب عن جده شيخ الإسلام عن عبدالله بن إبراهيم المدني عن عبدالقادر التغلبي عن عبدالباقي عن أحمد الوفائي عن موسى الحجازي عن أحمد الشويكى عن العسكري عن الحافظ شمس الدين ابن القيم عن شيخ الإسلام الحافظ تقي الدين أبى العباس ابن تيمية عن الفخر ابن البخاري عن أبى ذرالهروي عن شيوخه الثلاثة السرخسي والمستملي والكشميهني عن محمد بن يوسف الفربري عن إمام الدنيا أبي عبدالله محمد بن إسماعيل البخاريؒ

(منجد المستجیز ص۱۰، ۱۱)

اس سند میں نہ شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں اور نہ شاہ عبدالعزیز ومحمد اسحاق۔!

۹: القنديل المشعول في تحقيق حديث ((اقتلوا الفاعل و المفعول))

میرے علم کے مطابق یہ غیر مطبوع ہے۔ان کے علاوہ شاہ صاحب کی اور بھی بہت سی عربی کتابیں ہیں مثلاً وصول الالھام لاصول الاسلام (یہ ساری کتاب غیر منقوط ہے یعنی اس میں نقطوں والا کوئی حرف استعمال نہیں ہوا)

جزء منظوم فی أسماء المدلسین (یہ الفتح المبین کے آخر میں میری مراجعت سے مطبوع ہے) توفیق الباری بترتیب جزء رفع الیدین للبخاری (اس کے آخر میں شاہ صاحب نے لکھا ہے: العبد ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی المکی) مخطوطے کے کل صفحات ۲۱ ہیں۔

۱۰: العجوز لهداية العجوز (بڑی عجیب وغریب کتاب ہے)

۱۱: اظهار البراء ة عن حديث من كان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے بعض کا ذکر پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد کی کتاب تذکرہ علماء اہل حدیث (ج ۲ ص ۲۱۲-۲۱۵) میں ہے۔

اردو تصانیف:

۱: توحید خالص

اپنے موضوع پر یہ عظیم الشان کتاب ہے، جو تقریباً ۶۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔عقیدے پر معلومات کا بہترین خزانہ ہے۔

۲: امام صحیح العقیدہ ہونا چاہئے۔

۳: تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد وتقلید

۴۱۲ صفحات کی یہ لاجواب ومفید ترین کتاب محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی تقلیدی کے جواب میں لکھی گئی جس کے جواب الجواب سے (میرے علم کے مطابق) آلِ تقلید عاجز رہے۔

٤: تواتر عملی یا حیلہ جدلی

یہ مسعود احمد بی ایس سی (تکفیری) کا رد ہے۔

۵: الٰہی عتاب بر سیاہ خضاب

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں دیکھئے تذکرہ علماءِ اہل حدیث (ج ۲ ص ۲۱۶، ۲۱۷)

سندھی تصانیف

۱: بدیع التفاسیر

سندھی زبان میں شاہ صاحب نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے بدیع التفاسیر آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب صرف چودھویں پارے تک لکھی جا سکی اور آپ فوت ہو گئے۔

۲: تمییز الطیّب من الخبیث بجواب رسالة تحفة الحدیث .

سندھی زبان میں بڑے سائز اور باریک خط پر ۵۶۶ صفحات کی یہ کتاب مسلکِ اہلِ حدیث کی فتح اور آلِ تقلید کی تباہی کی روشن دلیل ہے۔ اگر اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو جائے تو اردو دان طبقہ کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہوگی۔

۳: التنقید المضبوط فی تسوید تحریر الملبوط (فقه و حدیث)

اس کتاب کا کچھ حصہ اردو میں چھپ گیا ہے۔

٤: الأربعین فی الجهر بالتأمین .

۵: تقریر دلپذیر بنام براءت اہل حدیث

٦: المبسوط المغبوط فی جواب المخطوط المهبوط

یہ سندھی زبان میں لکھی گئی ہے اور اس کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اسی کتاب میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''نواب وحید الزمان اهل حدیث نه هو.'' یعنی نواب وحید الزمان اہل حدیث نہیں تھے۔ (ص ۹۲)

آپ نے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتبِ مفیدہ تصنیف فرمائیں۔ مثلاً الفتاویٰ البدیعیہ وغیرہ

شاہ صاحب کے تلامذہ: آپ کے بعض تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

۱: شیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ السندھی المدنی رحمہ اللہ

میری ملاقات شیخ عبدالقادر سے مدینہ منورہ میں آپ کے گھر میں ہوئی تھی۔ نحیف جسم کے انتہائی علم دوست عالم تھے۔ آپ نے عربی زبان میں بہت سی مفید کتابیں لکھی ہیں۔

۲: حافظ فتحی محمد رحمہ اللہ

۳: حمدی عبدالمجید السّلفی العراقی

۴: بشار عواد معروف

۵: شیخ مقبل بن ہادی الوادعی الیمنی رحمہ اللہ

۶: ابوسعید الیربوزی الترکی

۷: الشیخ الصالح عاصم بن عبداللہ القریوتی

۸: الشیخ الصالح الامام وصی اللہ بن عباس المدنی المکی حفظہ اللہ

۹: ربیع بن ہادی المدخلی

۱۰: شیخ عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ

۱۱: حافظ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

ان کے علاوہ شاہ صاحب کے بے شمار تلامیذ تھے اور ہیں جن میں سے مولانا ابوخزیمہ محمد حسین ظاہری اور راقم الحروف کو بھی شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ پروفیسر میاں محمد یوسف صاحب نے شاہ صاحب کے بہت سے مناظروں کا تفصیلی ذکر لکھا ہے۔

شاہ صاحب علمائے حق کی نظر میں

التعلیقات السّلفیہ کے مصنف مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہماری جماعت کے فاضل محقق اور سندھ کے نامور راشدی خاندان کے گل سرسبد''

(تصدیر تنقید سدید ص ۷، ۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۸۲ء)

شاہ صاحب کی تعریف وتوثیق پر تمام علمائے حق کا اتفاق ہے اور آپ فی الحقیقت ثقہ امام متقن تھے۔ مولانا محبّ اللہ شاہ راشدی نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: ''ثقة''
مولانا محمد صدیق بن عبدالعزیز سرگودھوی نے فرمایا: ''**عالم محقق**'' میں نے مدینہ میں محمد بن ہادی المدخلی سے ان کے گھر میں یہ فرماتے ہوئے سنا: ''**ما نسمع عنه إلا خيراً**'' ہم ان کے بارے میں خیر ہی سنتے ہیں۔ فالح بن نافع الحربی المدنی نے کہا: ''**صاحب سنة من أهل الحديث و نفع الله به**'' آپ اہلِ حدیث میں سے، صاحبِ سنت تھے اور اللہ نے آپ کے ذریعے (لوگوں کو) نفع پہنچایا ہے۔ (انوار السبیل فی میزان الجرح والتعدیل ص ۲۶)

چند یادداشتیں: شاہ صاحب تصنیف وتالیف (بطورِ خاص تفسیرِ قرآن) میں مصروفیت کے باوجود طالب علموں کے لئے وقت نکالتے تھے۔ جو کتاب بھی پڑھاتے ایسا معلوم ہوتا کہ زبردست تیاری کے بعد پڑھا رہے ہیں حالانکہ یہ آپ کے حافظے کا کمال تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا تھا۔ مشکل سے مشکل عبارات آپ کی زبان پر موم ہو جاتی تھیں اور کسی قسم کا اشکال باقی نہیں رہتا تھا۔ آپ خوارج وتکفیریوں کے سخت مخالف تھے اور مسلکِ اہلِ سنت (اہلِ حدیث) پر مضبوطی سے گامزن تھے۔ شاہ صاحب کی ہر نماز انتہائی خشوع وخضوع والی ہوتی تھی، یہی محسوس ہوتا تھا کہ یہ آپ کی آخری نماز ہے۔

راقم الحروف سے آپ کا رویہ شفقت سے لبریز تھا۔ ایک دفعہ آپ ایک پروگرام میں راولپنڈی تشریف لائے تو کافی دیر تک مجھے سینے سے لگائے رکھا۔

آپ بدیع التفاسیر لکھاتے وقت کاتبوں کو فی البدیہ کہتے کہ فلاں کتاب لاؤ اور فلاں جگہ سے لے کر فلاں جگہ تک والا حوالہ لکھو۔ عربیت کے تو آپ امام تھے جس کا ایک واضح ثبوت آپ کی احکام والی کتاب وصول الالہام ہے۔

وفات: آپ ۸ جنوری ۱۹۹۶ء بمطابق ۱۶ شعبان ۱۴۱۶ھ بروز منگل رات تقریباً ۹ بجے مسجد راشدی کے قریب کراچی میں ۷۱ سال کی عمر میں فوت ہوئے اور (پیر جھنڈا) نیوسعید آباد میں دفن کئے گئے۔ رحمه الله رحمة واسعة آمین (۲۷/اپریل ۲۰۰۷ء)

محمد صدیق رضا

اُمتِ مصطفیٰ ﷺ اور شرک

(قسط:۴)

تیسری مثال: جو اللہ چاہے اور آپ ﷺ چاہیں

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، بعض کلام میں آپ سے مراجعت کی پھر کہا: ''ما شاء اللّٰہ و شئت'' جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((جعلتني للّٰہ عدلاً ماشاء اللّٰہ وحدہٗ))

کیا تو نے مجھے اللہ کا ہمسر ٹھہرایا (یا) اللہ کا شریک ٹھہرایا (نہیں اس طرح نہ کہو بلکہ یوں کہو کہ) جو اللہ اکیلا چاہے۔ (مسند احمد ۱/ ۳۴۷ وسندہ حسن)

ان صاحب نے اپنی گفتگو میں جب اللہ رب العالمین اور نبی کریم ﷺ کی مشیت کو ملا دیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا قرار دیا اور فرمایا: کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرایا؟ اب جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ شرک صرف تب ہوگا ''جب کسی کو اللہ کے ساتھ ذات یا صفات کے اعتبار سے بالکل برابر سمجھا جائے۔'' وہ غور کریں کیا ان صحابی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہم تصور بھی کر سکتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کو اللہ کے بالکل برابر سمجھتے تھے؟ ہرگز نہیں تو پھر گنجینۂ حکمت و بصیرت خاتم نبوت و رسالت ﷺ کا اس بات کو ''شریک ٹھہرانا'' قرار دینا اس کے علاوہ اور کیا واضح کرتا ہے کہ ''شرک صرف یہی نہیں کہ کسی کو اللہ کے بالکل برابر سمجھا جائے''

امید ہے کہ گزشتہ چند مثالوں سے یہ بات قدرے واضح ہو چکی ہوگی۔ اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ کیجئے کہ فریقِ ثانی ''شرک'' کی کیا تعریف کرتے ہیں۔

شرک کی غلط تعریف: محمد نجم مصطفائی صاحب شرک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یعنی یوں کہے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں قدیم، ابدی، ازلی، معبود مسجود ہے، بالکل اسی طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام یا حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت محمد ﷺ یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی قدیم، ازلی، ابدی، معبود و مسجود اور واجب الوجود ہیں تو ایسا عقیدہ رکھنے والا کھلا ہوا مشرک ہے کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں کسی غیر کو برابر، ہمسر اور شریک کر دیا اور یہی برابری یہی ہمسری، یہی شراکت، شرک کی پہلی قسم ہے۔
محترم مسلمانو! میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا، ابدی، ازلی اور واجب الوجود ہے اسی طرح آپ کسی فرشتے، کسی نبی، کسی ولی یا کسی پیر کو ابدی، ازلی اور واجب الوجود مانتے ہیں؟ اگر نہیں مانتے یقیناً آپ کا دامن شرک کی پہلی قسم کی نجاست سے پاک اور صاف اور سورج کی طرح چمکدار ہے۔ آپ ہرگز شرک کرنے والے نہیں۔ آپ پکے اور سچے مسلمان ہیں۔ آپ کے مسلمان ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ آپ کا مشرک ہونا اس وقت ثابت ہوتا جب آپ کسی بھی غیر کو اللہ کی ذات میں شریک کر دیتے۔ جب ذات میں شراکت نہیں تو پھر شرک کیسا۔''

(حق کی تلاش ص ۱۶، ناشر مکتبہ تحقیقاتِ اسلامیہ حنفیہ، فیصل آباد)

اس سے پہلے کہ ہم اس اقتباس کے مندرجات پر غور کریں پھر اس سے متعلق اپنی کچھ معروضات عرض کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب سے متاثر اور اس کے مصدقین کے ''اسماء گرامی'' مختصر ان کے ''تاثرات'' کے ساتھ عرض کر دیں تاکہ کتاب کی اہمیت واضح ہو جائے تو لیجئے سنیئے:

① مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، الجامعۃ النظامیہ الرضویہ (لاہور) پاکستان لکھتے ہیں:

''مذکورہ کتاب کو غور سے پڑھا تو آپ کے اندازِ تحریر کو پسندیدہ پایا... یہ اشاعت موجودہ دور کے معیار پر نہ صرف پوری ہے بلکہ ظاہری و باطنی طور پر مزید خوبیوں کی حامل ہے کسی ایجنٹ یا کتب خانہ کے ذریعے ملک بھر میں ہر اسٹال پر یہ کتاب موجود ہے'' (حق کی تلاش ص ۴)

مفتی ہزاروی صاحب کتاب کو غور سے پڑھنے پر جس قدر متاثر ہوئے وہ آپ نے ملاحظہ کیا۔

۲ محمد منشاء تابش قصوری، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور لکھتے ہیں:
''ایسی تصنیف کا ظہور اس کے سامنے سدِّ سکندری سے کم نہیں، انداز تحریر جدید ہونے کے باوجود تحقیق سے بھرپور ہے.... اس کامیاب کوشش پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں'' (حق کی تلاش ص ۴)
واضح رہے کہ ''جامعہ نظامیہ لاہور'' فریقِ ثانی کی معتبر و مرکزی ''درسگاہ'' ہے۔

۳ ان کے صاحبِ تصانیف کثیرہ، استاذ العلماء، فیض ملت، علامہ الحاج، مفتی محمد فیض احمد اویسی بہاولپوری لکھتے ہیں: ''موصوف کے رسائل نہایت ہی مفید ہیں'' (ص ۵)

۴ مفتی عبدالرحمٰن قمر، ڈائریکٹر آف اسلامک فاؤنڈیشن USA لکھتے ہیں:
''میں نے اس کتاب کو پڑھا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ کتاب ہر مسلمان کے لئے وقت کی ضرورت ہے'' (ص ۳)

☆ شرک کی غلط تعریف کا بطلان

اب اس اقتباس پر غور کیجئے! اس کے مطابق ''شرک'' کب لازم آئے گا؟ جب کوئی شخص ''جس طرح اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات میں یکتا، ابدی، ازلی اور واجب الوجود جانتا ہو اسی طرح کسی فرشتے، کسی نبی کسی ولی یا پیر کو بھی ابدی ازلی، قدیم اور واجب الوجود مانتا ہو۔''
اگر کوئی ایسا تصور نہیں رکھتا تو ان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ
''اگر نہیں مانتے تو یقیناً آپ کا دامن شرک کی پہلی قسم کی نجاست سے پاک اور صاف اور سورج کی طرح چمکدار ہے، آپ ہرگز شرک کرنے والے نہیں، آپ پکے اور سچے مسلمان ہیں۔'' نجم صاحب کے بقول: ابدی، ازلی اور واجب الوجود وغیرہ ماننے سے ہی ''شرک'' لازم آتا ہے اس لئے سب سے پہلے ان کے معنی جان لینا ضروری ہے۔

۱ ''ابدی'' اس کے معنی ہیں: لازوال جس کی انتہا نہ ہو۔

۲ ''ازلی'' اس کے معنی ہیں: قدیم ہمیشہ سے پایا جانے والا۔

نجم صاحب نے ان دونوں الفاظ سے متعلق لکھا ہے کہ ''وہ اپنی ذات میں قدیم، ازلی اور ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔'' (حق کی تلاش ص ۱۴)

③ ''واجب الوجود'' اس کے معنی نجم صاحب نے کچھ اس طرح بیان کیئے ہیں: وہ (اللہ) ''واجب الوجود'' ہے یعنی وہ کسی سے وجود میں نہیں آیا، وہ اپنے موجود ہونے میں کسی سبب یا کسی ذرائع کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات میں خود بخود ہے'' (حق کی تلاش ص ۱۴)

اب بقول موصوف کے جب کوئی شخص کسی انسان، فرشتے یا جن سے متعلق یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو وہ شخص شرک میں مبتلا نہیں ہوتا مشرک نہیں ہوتا۔ ہمیں حیرت اور افسوس بھی ہے کہ موصوف نے یہ سب کچھ کس طرح فرما دیا اور شرک کو ان شرائط کے ساتھ کیسے مشروط کر دیا۔ ان تصورات و شرائط پر ''مشرکین عرب'' کا شرک بھی لازم نہیں آتا، ان شرائط پر تو وہ بھی ''مشرک'' ثابت نہیں ہوتے بلکہ صاف بچ جاتے ہیں۔ وہ کیسے؟ آیئے دیکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾

جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں (شفاعت کے مستحق وہ ہیں) جو حق بات کا اقرار کریں اور انھیں علم بھی ہو اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، تو پھر یہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔

(الزخرف: ۸۶۔۸۷)

اس آیت کی تفسیر میں فریقِ ثانی کے نامور ''مولوی'' سید احمد سعید کاظمی ملتانی صاحب کہتے ہیں: ''علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ یہ آیت بتوں کی عبادت کرنے والے مشرکین سے متعلق بھی ہو سکتی ہے اور ان کے معبودوں کے متعلق بھی۔''

اسی طرح کاظمی صاحب لکھتے ہیں: ''مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ تم جو بتوں کو پوجا کرتے ہو تو ان کو کس نے پیدا کیا؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وہ کہیں گے اللہ نے پیدا کیا'' (توحید اور شرک ص ۸ مطبوعہ جمعیت اشاعت اہلسنت، نور مسجد، کاغذی بازار کراچی)

اس آیتِ مبارکہ اور تفسیر بالا سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ''مشرکین''

اپنے ''معبودوں'' کو خالق نہیں بلکہ مخلوق مانتے تھے کہ انھیں اللہ نے پیدا کیا وہ خود سے نہیں تھے۔ ان کے وجود کا سبب اللہ رب العالمین ہے۔

الغرض! ''مشرکین عرب'' کا اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی ''مخلوق'' تسلیم کرنا اور اس بات کا کھلے بندوں واضح اعلان کرنا حتیٰ کہ اپنے ان معبودوں کی مخالفت کرنے والے داعی اعظم محمد ﷺ اور اہلِ ایمان کے سامنے اور ان کے مقابلے میں پھر خاص طور پر ایسے موقع پر کہ جب وہ ان کے اس ''جواب'' کی روشنی میں ان کے اس مسلّمہ پر انھی کے خلاف ''حجت'' قائم فرماتے ہیں.....ان کا یہ جواب کہ ''ہمارے ان معبودوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا'' انھیں ''مخلوق'' ہی تسلیم کرنا، اس بات کو واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ ''مشرکین عرب'' اپنے معبودوں کو ''اپنی ذات میں یکتا'' ''ابدی'' لازوال جس کی انتہا نہ ہو۔ ''ازلی'' قدیم، ہمیشہ سے پایا جانے والا'' واجب الوجود'' جو کسی سے وجود میں نہ آیا ہو۔ وہ اپنے موجود ہونے میں کسی سبب یا ذرائع کا محتاج نہ ہو اور اپنی ذات میں خود بخود ہو ایسا نہیں سمجھتے تھے اور نہ اپنے معبودوں سے متعلق ایسا عقیدہ و نظریہ ہی رکھتے تھے۔

اس اعتراف کے باوجود اللہ رب العالمین نے انھیں ''شرک کی نجاست سے پاک اور صاف اور سورج کی طرح چمکدار'' قرار دینے کے بجائے قرآنِ مجید میں جگہ جگہ انھیں ''مشرک'' ہی قرار دیا جیسا کہ بکثرت آیات میں اس بات کا ذکر ملتا ہے۔ تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ فریقِ ثانی کی ''مشرک'' سے متعلق عائد کردہ شرائط اور اصول اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اصول کے خلاف ہیں۔

بہر حال فریقِ ثانی کو اگر اپنے اصول پر اصرار ہے تو وہ اعلان کریں کہ ''مشرکین عرب'' بھی ''شرک کی نجاست سے پاک اور صاف اور سورج کی طرح چمکدار اور ہرگز شرک کرنے والے نہ تھے'' اور اگر وہ نظرِ ثانی اور غور وفکر کے لئے تیار ہوں تو ان پر واضح ہوگا ''شرک'' کے لئے ''قدیم، ابدی، ازلی، واجب الوجود ماننے کی'' لازمی شرط لگانا قطعاً درست نہیں بلکہ قرآن و سنت کی تعلیمات سے واضح طور پر غفلت اور عدمِ تدبر کا نتیجہ ہے۔

باقی رہا ''شرک کی اس تعریف'' میں نجم صاحب کا یہ فرمانا کہ

'' آپ کا مشرک ہونا اس وقت ثابت ہوتا جب آپ کسی بھی غیر کو اللہ کی ذات میں شریک کر دیتے جب ذات میں شراکت نہیں تو پھر شرک کیسا؟'' (حق کی تلاش ص ۱۴)

اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف ''شرک فی الصفات'' کو شرک نہیں سمجھتے اور نہ ہی صفات میں شرک کرنے والے کو ''مشرک'' قرار دیتے ہیں، ورنہ جناب کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ ''جب ذات میں شراکت نہیں تو پھر شرک کیسا''؟ حالانکہ آگے چل کر خود جناب نے بھی شرک فی الصفات کا ذکر کیا ہے۔

☆ **شرک فی الصفات کی غلط تعریف:** نجم صاحب شرک فی الذات کے بعد شرک فی الصفات کی تعریف میں طبع آزمائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شرک کی دوسری قسم ہے ''شرک فی الصفات'' شرک فی الصفات کے معنی یہ ہیں کہ جو صفات اللہ جل مجدہ کی بالکل وہی صفات کسی غیر میں بھی شریک کر دی جائیں'' (ص ۱۵)

پھر لکھتے ہیں: ''پس جو کوئی اللہ کی صفاتِ کاملہ کی طرح کسی غیر میں اس کی کسی صفت کو قدیم، ازلی، ابدی، قدیمی، لامحدود، ذاتی، لامتناہی مانے یعنی وہ یوں کہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا ذاتی، قدیمی، لامحدود، ازلی وابدی ہے بالکل اسی طرح حضور ﷺ کا غیب داں ہونا بھی ذاتی، قدیمی، لامحدود، لامتناہی، ازلی وابدی ہے۔ یا یوں کہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ....مختارِ کل ہونا، رؤف ورحیم ہونا، حاکم ہونا....قدیمی، ازلی، ابدی، ذاتی اور لامحدود ہے بالکل اسی طرح حضرت محمد ﷺ کا....مختار ہونا.....رؤف ورحیم ہونا، حاکم ہونا، .....بھی قدیمی، ازلی وابدی، ذاتی اور لامحدود ہے یا کسی بھی غیر میں اللہ جل مجدہ کی صفاتِ کاملہ شریک کرے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا ''مشرک'' ہوگا۔'' (حق کی تلاش ص ۱۵)

اسی طرح لکھتے ہیں: ''جب بھی کسی بات پر ''شرک'' کا شبہ ہو تو اس ''حقیقت'' پر غور کر لیا جائے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو واجب الوجود، معبود و مسجود ماننا اور اس کی صفات کو قدیمی، ذاتی، لامحدود، ازلی صفات رکھنے والا ماننا لازم آتا ہے یا نہیں؟ اگر ان میں سے

کوئی بھی بات لازم آتی ہے تو بے شک وہ بات شرک ہے، اگر ان میں سے کوئی بات لازم نہیں آتی تو اسے ''شرک'' نہیں کہہ سکتے۔'' (حق کی تلاش ص ۱۶) مندرجہ بالا اقتباسات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فریقِ ثانی کے نزدیک ذات وصفات میں ''شرک'' کے ثبوت کے لئے درج ذیل چند باتیں بالکل لازمی وضروری ہیں:

① اللہ کی صفت کو اس کے غیر میں ذاتی، قدیمی، ازلی وابدی طور پر مانا جائے۔

② اسی طرح اس غیر میں اس صفت کو لامتناہی ولامحدود مانا جائے۔

③ نیز اس سے غیر کا واجب الوجود ومسجود ماننا بھی لازم ہے۔

اگر ان میں سے کوئی بات پائی جائے تو ''شرک'' ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی بات نہ پائی جائے تو اس صورت میں شرک بھی لازم نہیں آئے گا۔ ایک بار پھر ہم انتہائی افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ فریقِ ثانی کی ان شرائط پر تو یہود ونصاریٰ حتیٰ کہ ''مشرکین عرب'' تک کا بھی شرک لازم نہیں آتا بلکہ وہ بھی صاف اور واضح طور پر ''شرک'' کے حکم سے باآسانی بچ جاتے ہیں۔ جبکہ قرآن وسنت ان کے شرک میں مبتلا ہو جانے کی خبر دیتا ہے۔

اب معلوم نہیں فریقِ ثانی کو اپنا دفاع مقصود ومطلوب ہے یا یہود ونصاریٰ اور مشرکینِ عرب کا دفاع پیشِ نظر ہے!! لیکن یہ امر تو واضح ہے نادانستگی ہی میں سہی پر موصوف نے جو کچھ پیش کیا اور جو اصول ونکات بیان فرمائے ہیں، اس سے تو یہود ونصاریٰ اور مشرکینِ عرب کا بھی زبردست دفاع ہو جاتا ہے چونکہ قرآن وسنت میں ان سے متعلق جو بعض باتیں نقل ہوئیں اور ان کے جو عقائد بیان ہوئے، وہ کچھ اس طرح سے ہیں کہ موصوف کی ان شرائط یا نکات کی بنا پر ان کا ہر فرد باآسانی ''شرک'' سے ''بالکل پاک اور سورج کی طرح چمکدار'' ثابت ہو جاتا ہے اب ان نکات کا قرآن وسنت کی روشنی میں بالترتیب جائزہ لیتے ہیں:

① موصوف کا پہلا ''ارشاد'' جو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی کسی صفت کو اس کے غیر میں جب ذاتی، قدیمی، ازلی وابدی مانا جائے تب شرک ہوگا ورنہ نہیں۔

گزشتہ صفحات میں ہم قرآن مجید کی آیت اور فریقِ ثانی کی ''مسلّمہ علمی شخصیت''

کاظمی صاحب کی نقل کردہ تفسیر سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ''مشرکینِ عرب'' اپنے معبودوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلوق سمجھتے تھے، ان کے مخلوق ہونے کا اعتراف کرتے تھے۔ جب وہ ان کی ذات کو ان کے وجود کو ہی ''ذاتی'' ازلی وابدی اور قدیمی نہیں مانتے تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ان کی صفات کو ''ذاتی'' ازلی، ابدی اور قدیمی مانیں؟ اگرچہ یہی ایک دلیل اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے مگر ہم وضاحت کے لئے بعض دیگر دلائل بھی نقل کئے دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ﴾

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہئے کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ یہ زمین اور جو کچھ زمین پر ہے یہ سب کس کا ہے؟ یہ کہیں گے کہ اللہ کا (تو ان سے کہیں) کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے آپ ان سے کہیں کہ ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ تو یہ کہیں گے کہ اللہ، آپ کہیں کہ تو پھر تم ڈرتے کیوں نہیں، ان سے کہیں کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ ہر چیز پر اقتدار و اختیار کس کا ہے؟ اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ تو یہ جواب دیں گے کہ اللہ (ہی کے لئے ہر چیز پر اقتدار و اختیار ہے) تو آپ ان سے کہئے کہ پھر تم کس جادو کے فریب میں پڑے ہو؟ (المومنون:۸۴۔۸۹)

ان آیاتِ مبارکہ میں مشرکین سے سوال کیا گیا کہ بتلاؤ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟ ہر چیز پر اقتدارِ کامل، غلبہ تامہ، حکومتِ حقیقیہ کس کی ہے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود ہی فرما دیا کہ یہ کہیں گے کہ اللہ ہی کی ساری آبادی ہے اور اسی کا ہر چیز پر اقتدار و غلبہ ہے۔

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوسکتی ہے۔ (النساء:۱۲۲)

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

غیر ثابت قصے

تریسٹھواں (۶۳) قصہ: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ پر ایک افتراء والا قصہ:

مشہور سیاح ابن بطوطہ نے کہا:

دمشق میں حنابلہ کے کبار فقہاء میں سے ایک ''تقی الدین ابن تیمیہ'' تھے۔ آپ فنون میں کلام کیا کرتے تھے مگر یہ کہ ان کی عقل میں کچھ تھا۔ اہل دمشق ان کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے۔ ابن تیمیہ منبر پر اُن سے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ (یہاں تک کہ ابن بطوطہ نے کہا:) میں جمعہ کے دن اُن کے ہاں حاضر ہوا۔ وہ جامع کے منبر پر لوگوں سے وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ من جملہ دیگر باتوں کے انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ آسمان سے میرے اس نزول (اترنے) کی طرح نزول فرماتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ منبر کی سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی نیچے اترے۔ ایک مالکی فقیہ جو ابن الزہراء کے نام سے معروف تھے، انھوں نے ابن تیمیہ سے اختلاف کیا اور اس بات پر انکار کیا۔ عوام اس فقیہ کے ساتھ ہو گئے اور ابن تیمیہ کی ہاتھوں اور جوتوں سے سخت پٹائی کی، یہاں تک کہ ان کا عمامہ گر گیا۔ (رحلۃ ابن بطوطہ ص ۱۱۲، ۱۱۳)

جرح: اس افتراء کا تین طریقوں سے جواب:

اول: اس قسم کے قصے پختہ عزم والوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ انھیں نقل کریں تو ابن بطوطہ کے علاوہ کسی اور نے اسے کیوں نہ نقل کیا؟ حالانکہ اس موقع پر ایک جماعت موجود تھی۔ (یعنی لوگوں کا ایک جم غفیر تھا) ابن تیمیہ کے شاگرد اس کے نقل کرنے سے کہاں رہ گئے بلکہ آپ کے دشمن کہاں رہ گئے؟

دوم: ''نزول'' کے اس مسئلہ پر شیخ الاسلام کا اپنا بیان بڑا ہی واضح ہے، نیز آپ کا اس بات پر انکار بھی جو اس قصہ میں اُن کی طرف منسوب کیا گیا۔ [ابن تیمیہ فرماتے ہیں:]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کی طرح قرار دینا۔ جیسے یہ کہنا: اللہ کا استواء مخلوق کے استواء کی طرح ہے یا اُس کا نزول مخلوق کے نزول کی طرح ہے، اسی طرح دیگر صفات میں تو یہ شخص بدعتی و گمراہ ہے اس لئے کہ عقل کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ کو کسی بھی معاملہ میں مخلوقات کی مثل نہیں قرار دیا جاسکتا۔

(مجموع الفتاویٰ ۲۶۲/۵)

سوم: اس قصہ پر شیخ احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ احمد اللہ نے کلام فرمایا...... کہ..... ابن بطوطہ نے اپنے مشہور سفر نامہ میں کہا: ''بعلبک شہر میں میرا دخول دن کو سہ پہر کے وقت تھا اور میرا دمشق کی جانب بہت زیادہ اشتیاق تھا جس کی بنا پر میں بعلبک سے صبح ہی نکل پڑا، رمضان المبارک کی ۹ تاریخ ۷۲۶ء بروز جمعرات شہر دمشق پہنچا اور وہاں مدرسۃ المالکیہ میں ٹھہرا جو ''الشرابیشیہ'' کے نام سے مشہور تھا......'' اس کے بعد ابن بطوطہ نے مذکورہ بالا قصہ نقل کیا۔

میں کہتا ہوں: اللہ ہی سے فریاد ہے اس جھوٹے کے مقابلے میں کہ یہ نہ اللہ سے ڈرا اور نہ اس نے اللہ سے حیا ہی کی، حدیث ((إذا لم تستح فاصنع ماشئت)) جب تم میں حیا نہیں تو جو چاہے کرتے پھرو۔ (صحیح بخاری: ۶۱۲۰)

اس قصہ کا جھوٹ ہونا اس قدر واضح ہے کہ اس کے لئے کسی طول بیانی کی ضرورت نہیں، اس بہتان طراز جھوٹے سے اللہ ہی حساب لینے والا ہے، اس کے بیان کے مطابق یہ (۹) رمضان ۷۲۶ھ کو دمشق میں داخل ہوا۔

جب کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس وقت دمشق کے قلعہ میں قید کر دیئے گئے تھے جیسا کہ معتبر اہل علم نے بیان کیا ہے۔ مثلاً آپ کے شاگرد حافظ محمد بن احمد بن عبدالہادی اور حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب نے ''طبقات الحنابلہ'' (۴۰۵/۲) میں شیخ الاسلام کے احوال میں بیان کیا ہے: ''شیخ شعبان ۷۲۶ھ سے ذوالقعدہ ۷۲۸ھ تک قلعہ میں رہے اور ابن عبدالہادی نے یہ بات زائد بیان کی کہ آپ ۶ شعبان کو قلعہ میں داخل ہوئے۔ اب اس بہتان طراز کی طرف دیکھیں اس کے بقول یہ رمضان ۷۲۶ھ کو ان کے ہاں حاضر ہوا جب

کہ ابن تیمیہ جامع کے منبر پر لوگوں سے وعظ فرما رہے تھے۔
اے کاش! میں جان سکتا (کہ یہ کیسے ہوا؟) کیا جامع دمشق کا منبر قلعہ دمشق کے اندر منتقل ہو گیا تھا؟ حالانکہ ابن تیمیہ شعبان ۷۲۶ھ کو قلعہ میں داخل ہوئے، اس سے باہر نہ نکلے مگر جنازہ کی چارپائی پر (یعنی وہیں فوت ہوئے اور وہاں سے آپ کی میت نکالی گئی۔)
اسی طرح حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان فرمایا: ٦ شعبان ۷۲۶ھ کو ابن تیمیہ دمشق کے قلعہ میں نظر بند کر دیئے گئے۔ نائبِ سلطنت کی طرف سے ابن تیمیہ کے ہاں اوقاف کا نمائندہ اور ایک دربان ابن الخطیر حاضر ہوئے، وہ دونوں اُن کے لئے اپنے ساتھ ایک سواری بھی لائے تھے اور اُن کے سامنے شاہی فرمان پیش کیا آپ نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا: میں اس کا منتظر تھا، اسی میں بہت بہتری ہے تو وہ تینوں ہی ان کے گھر سے قلعہ کے پھاٹک کی طرف سوار ہو کر نکلے۔ آپ کے لئے قلعہ کا ایک بڑا کمرہ خالی کر دیا گیا۔ وہاں پانی مہیا کر دیا گیا اور انھیں اس میں اقامت کا حکم دیا گیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی زین الدین تھے جو سلطان کی اجازت سے آپ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ انتہیٰ
تو آپ دیکھیں ان کے شاگردوں وغیرہم کی بات کو جو آپ کے حالات سے بخوبی واقف تھے اور متقی، امین اور دیانتدار تھے، تو آپ پر اس مغربی (ابن بطوطہ) کی غلط بیانی واضح ہو جائے گی۔ اللہ اس کے ساتھ وہی معاملہ فرمائے کہ جس کا وہ مستحق ہے۔ واللہ اعلم
[اس سے معلوم ہوا کہ ابن بطوطہ سیاح کذاب تھا۔ مشہور مؤرخ ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) نے ابن بطوطہ سیاح (متوفی ۷۷۸ھ) کے قصوں کا ذکر کر کے لکھا ہے: ''فتناجی الناس بتکذیبہ'' پس لوگوں نے اسے جھوٹا قرار دیا۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸۲، تاریخ ابن خلدون ص ۹۴) پھر انھوں نے وزیر فارس کو بتایا کہ لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ ابن بطوطہ جھوٹا ہے۔ پھر انھوں نے وزیر فارس سے ابن بطوطہ کا کچھ دفاع نقل کیا لیکن راجح یہی ہے کہ ابن بطوطہ ساقط العدالت کذاب تھا۔]
اور ان پر ایسے کئی بہتان لگائے گئے اور غلط بیانیاں کی گئیں جن سے وہ بری تھے اور معاملہ وہ

ہے جو کہ آپ کے ایک شاگرد نے شعر میں کہا:

فالبهت عندكم رخيص سعره   حشوا بلا كيل ولا ميزان

بہتان کی قیمت تمھارے ہاں بڑی سستی ہے   تو تم بغیر ناپ تول کے یہ جمع کرتے رہو

(قصیدہ نونیہ مع شرحہا ۲/ ۱۸۲)

عرض مترجم: ممکن ہے کہ کسی کو یہ محسوس ہوا ہو کہ اس مقام پر فاضل مؤلف نے شدت و سخت کلامی سے کام لیا ہے تو عرض ہے کہ یہ معاملہ ہی کچھ ایسا ہے۔ اس کی شدت کا اندازہ لگانے کے لئے آپ دیوبندی مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا یہ بیان ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں:

''اب یہاں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو بھی سمجھ لینا ضروری ہے۔ یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ وہ (معاذ اللہ) تشبیہ کے قائل یا کم از کم اس کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ اور یہ قصہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ جامع دمشق کے منبر پر تقریر کرتے ہوئے حدیث باب کی شرح کی اور اس تشریح کے دوران خود منبر سے دو سیڑھیاں اتر کر کہا کہ ''ینزل کنزولی هذا'' یعنی باری تعالیٰ کا نزول میرے اس نزول کی طرح ہوتا ہے۔ اگر یہ واقعہ ثابت ہو تو بلاشبہ یہ نہایت خطرناک بات ہے، اور اس سے لازم آتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ تشبیہ کے قائل ہیں۔'' (درس ترمذی ج ۲ ص ۲۰۲)

تو یہ ہے سخت کلامی کی وجہ کہ اس کی وجہ سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے عقائد سے متعلق وہ بات لازم آتی ہے جو ''بلاشبہ نہایت ہی خطرناک بات ہے۔''

پھر تقی صاحب بھی اس قصہ کی تردید فرماتے ہوئے کہتے ہیں: ''لیکن محققین نے سفرنامۂ ابن بطوطہ کی اس حکایت کو معتبر نہیں مانا، جس کی وجہ یہ ہے کہ اسی سفرنامے کے صفحہ ۵۰ ج ا پر تصریح ہے کہ ابن بطوطہ جمعرات ۹/ رمضان ۷۲۶ھ کو دمشق پہنچا ہے، حالانکہ علامہ ابن تیمیہؒ شعبان ۷۲۶ھ کے اوائل ہی میں دمشق کے قلعہ میں قید ہو چکے تھے، اور اسی قید کی حالت میں ۲۰/ ذیقعدہ ۷۲۸ھ کو ان کی وفات ہوگئی۔ لہٰذا یہ بات تاریخی اعتبار سے ممکن نظر نہیں آتی کہ وہ رمضان ۷۲۶ھ میں جامع دمشق میں خطبہ دے رہے ہوں۔'' (درس ترمذی ۲/ ۲۰۲)

آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

''جہاں تک اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہؒ کے صحیح موقف کا تعلق ہے، اس موضوع پر ان کی ایک مستقل کتاب ہے جو ''شرح حديث النزول'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے، اور اس میں علامہ ابن تیمیہؒ نے ''تشبیہ'' کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے، مثلاً ص ۵۸ پر لکھتے ہیں:

وليس نزوله كنزول اجسام بنى آدم من السطح الى الارض بحيث يبقى السقف فوقهم ، بل الله منزه عن ذلك ،...'' (درس ترمذی ۲/۲۰۳)

یعنی اللہ کا نزول انسانوں کے اجسام کے اس نزول کی طرح نہیں کہ وہ جب زمین کی طرف نزول کرتے ہیں تو وہ چھت کے نیچے ہو جاتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

چونسٹھواں (۶۴) قصہ: حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ پر رذیل بہتان والا قصہ:

محمد زاہد الکوثری نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر ایک من گھڑت قصہ گھڑتے ہوئے کہا:

''ابن حجر راستے میں عورتوں کا پیچھا کیا کرتے تھے۔ عشق بازی کرتے، ایک بار ایک عورت کو خوبصورت سمجھ کر اُس کا پیچھا کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے گھر پہنچ گئی، وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ عورت نے ان کے سامنے اپنا برقع اتار دیا۔ وہ کالی اور بدصورت تھی تو ابن حجر شرمندہ و خجل ہو کر واپس لوٹ پڑے۔''

حوالہ: احمد الغماری نے اپنی کتاب ''بدع التفاسیر'' میں کوثری سے یہ قصہ نقل کیا جیسا کہ ''کشف المتواری'' (ص ۹۷) میں ہے (یہی قصہ احمد الغماری نے اپنی کتاب ''بیان تلبیس المفتری'' ص ۵۱ مطبوعہ دار الصمیعی ۔ الریاض/ میں بھی نقل کیا ہے۔ مترجم)

دو طریقوں سے اس بہتان کا جواب:

اول: وہ ''صحیح سند'' کہاں ہے جو اس حادثہ پر دلالت کرے؟ چونکہ اسناد (سند کا ہونا) دین میں سے ہے اگر سند نہ ہو تو جس کا جو جی میں آئے کہتا پھرے۔

دوم: الغماری نے کوثری کے اس مذکورہ کلام سے متعلق کہا: ''اس حملہ کا راز یہ ہے کہ حافظ ابن حجر بعض کتب التراجم میں بعض احناف پر کلام فرماتے تھے جیسے ''الدرر الکامنہ'' اور ''رفع البصر''

میں اور علامہ عینی سے متعلق آپ نے فرمایا کہ وہ بعض طلباء سے ''فتح الباری'' کی کاپیاں لے کر اپنی شرح (عمدۃ القاری) میں اس سے استفادہ کرتے ، جب ابن حجر کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے طلباء کو کاپیاں دینے سے منع فرما دیا۔ (کشف المتواری ص ۹۷)

میرے فاضل بھائی! اس طرح آپ پر واضح ہو گیا ہو کہ یہ قصہ ''کوثری'' نے خود گھڑ رکھا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ کوثری نے اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے ایسا کیا ہو اور پھر اُس سے تو ابن حجر سے بڑے بڑے بھی محفوظ نہ رہے۔

[ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر الاصبہانی رحمہ اللہ کے بارے میں کوثری نے لکھا ہے کہ ''وقد ضعفه بلديه الحافظ العسال بحق''

''اور اس کو اس کے ہم وطن الحافظ العسال نے ضعیف کہا ہے۔'' (تأنیب الخطیب ص ۴۹، ابوحنیفہ کا عادلانہ دفاع از عبدالقدوس قارن دیوبندی ص ۵۳۔ نیز دیکھئے تأنیب الخطیب ص ۶۹، ۱۴۱، عادلانہ دفاع ص ۱۹۲، ۳۳۳)

حالانکہ یہ بات بالکل جھوٹ ہے۔ حافظ ابو احمد العسال الاصبہانی رحمہ اللہ سے ابوالشیخ الاصبہانی رحمہ اللہ پر جرح کسی کتاب میں بھی ثابت نہیں ہے۔

شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے شیخ محمد نصیف سے انھوں نے شیخ سلیمان الصنیع مدیر مکتبۃ الحرم اور رکن مجلس شوریٰ مکہ مکرمہ سے روایت کیا ہے کہ میں کئی دفعہ کوثری کے گھر میں گیا اور کوثری سے اس کے اس دعوے کا حوالہ و ثبوت مانگا مگر اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ اگر وہ سچا ہوتا تو ضرور حوالہ پیش کرتا۔ ''والذي يظهر لي أن الرجل يرتجل الكذب ويغالط .... ''اور میرے سامنے یہی واضح ہوا ہے کہ یہ آدمی فی البدیہ جھوٹ بولتا اور مغالطے دیتا ہے۔ (حاشیۃ التنکیل ج ۱ ص ۳۴)

اس جرح کی سند صحیح ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ زاہد بن حسن الکوثری کذاب تھا۔]

عرضِ مترجم: احمد الغماری نے اپنی کتاب ''تلبیس بیان المفتری'' میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''کوثری اس طرح اس پر نازاں ہے اور اپنے پاس بیٹھنے والوں میں سے ہر ایک کے سامنے بیان کرتا پھرتا ہے، ابن حجر رحمہ اللہ کو نیچا دکھلانے کے لئے اور ان کی

عظمت ووقار کو مجروح کرنے کے لئے...... جن سے متعلق کبار علماء نے فرمایا: اس امت پر اسلام کی ہدایت کے بعد ان کا وجود اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے ایک احسان ہے۔ آپ وہ شخصیت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعد آنے والے ہر عالم پر آپ کا احسان رکھا، ہر فرقہ پرست، حاسد، متعصب اور کینہ پرور کی ناگواری کے باوجود۔ اس طرح کی باتوں کو پھیلانے والا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتا مگر یہ کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے گروہ میں شامل کرتا ہے کہ جو جھوٹے ہیں اور ایمان والوں کے درمیان فحاشی پھیلانا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾

جھوٹ تو وہ گھڑتے ہیں جو کہ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے۔ (سورۃ النحل:۱۰۵)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں کے درمیان بے حیائی پھیلے اُن کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ (النور:۱۹)

اے کوثری! تم خود ہی اپنی کتاب ''تأنیب'' میں اس بات کے قائل یا ناقل ہو کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اس طرح کی باتوں سے کسی مسلم کی عزت بے آبرو کردے۔ تو مسلمانوں کے ائمہ میں سے کسی ثقہ وصالح امام کی عزت مجروح کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ اب آپ خود اپنی اس تحریر کے برخلاف کس مقام پر ہیں؟

﴿کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ﴾

اللہ کے نزدیک یہ بڑی ہی بُری بات ہے کہ جو تم کہو اس پر عمل نہ کرو۔ [الصّف:۳]

کیا عقل اس کی تصدیق کرتی ہے یا کوئی منطق اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ حافظ ابن حجر جو کہ شیخ الاسلام، قاضی القضاۃ، امام العصر، احفظ الحفاظ، اپنے دور میں اس عظیم مقام کے حامل اور شان وشوکت اور جلالت ایسی جو بادشاہوں کی جلالت پر غالب آجاتی، وہ عظیم شخصیت سڑکوں پر ایسی اوچھی اور گھٹیا حرکات کرتے پھریں؟ (ہرگز نہیں، ہرگز نہیں) ''

(تلبیس بیان المفتری ص ۵۱ تا ۵۲)

حافظ شیر محمد

سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے محبت

(۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو صحابیوں کا خاص طور پر نام لیا ہے: سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔

ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کو تعجب ہو کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کس طرح صحابی بن گئے؟

عرض ہے کہ صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے دنیاوی زندگی کے ساتھ حالتِ ایمان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا۔ لوگوں کو آپ انجیل کی تعلیم اور آنے والے نبی (احمد یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی خوش خبری دیتے تھے۔ کافروں نے آپ کو شہید کرنے کی سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو آسمان پر اپنے پاس اُٹھالیا۔ کافروں نے ایک دوسرے آدمی کو صلیب پر چڑھا کر قتل کر دیا جس کی شکل سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہ ہوگئی تھی۔ یہود و نصاریٰ اپنی حماقت و جہالت کی وجہ سے یہ عقیدہ گھڑ بیٹھے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سُولی پر چڑھا کر قتل کر دیئے گئے تھے، حالانکہ یہ عقیدہ سراسر باطل اور بہت بڑا جھوٹ ہے۔ حق صرف یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سُولی ہرگز نہیں دی گئی بلکہ اللہ نے انھیں اپنے پاس اُٹھالیا۔

مشہور جلیل القدر تابعی امام حسن بصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

''واللّٰہ إنہ الآن لحيّ عنداللّٰہ ولکن إذا نزل آمنوا بہ أجمعون '' اللہ کی قسم! وہ (عیسیٰ) اب اللہ کے پاس زندہ ہیں لیکن جب آپ نازل ہوں گے تو سب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ (تفسیر ابن جریر الطبری ۶/۱۴، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۹/۳۸۰ ح ۱۰۷۹۸، وسندہ صحیح)

مشہور عالم اور متکلم ابوالحسن الاشعری (متوفی ۳۲۴ھ) اپنی مشہور کتاب میں فرماتے ہیں:

''وأجمعت الأمة أن اللّٰہ عزوجل رفع عیسی إلی السماء. ''

اور اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔

(الابانہ عن اصول الدیانہ ص ۳۴ دوسرا نسخہ ص ۱۲۴)

اس مناسبت سے دس احادیث اور دس آثار پیشِ خدمت ہیں:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوالقاسم الصادق المصدوق (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا: ((**يخرج الأعور الدجال مسيح الضلالة قبل المشرق في زمن اختلاف من الناس وفرقة ، فيبلغ ما شاء الله أن يبلغ من الأرض في أربعين يومًا ، الله أعلم ما مقدارها؟ فيلقى المؤمنون شدة شديدة ، ثم ينزل عيسى بن مريم ﷺ من السماء فيقوم الناس فإذا رفع رأسه من ركعته قال: سمع الله لمن حمده ، قتل الله المسيح الدجال و ظهر المؤمنون .)) إلخ**

لوگوں کے اختلاف وتفرق کے دور میں مشرق کی طرف سے مسیح ضلالت: کانا دجال نکلے گا پھر چالیس دنوں میں جہاں اللہ چاہے وہ زمین پر پہنچے گا، اس کی مقدار اللہ ہی جانتا ہے۔ پس مومنوں کو بہت زیادہ تکلیفیں پہنچیں گی پھر عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے نازل ہوں گے۔ پھر لوگ (نماز کے لئے) کھڑے ہوں گے، جب آپ رکوع سے سر اٹھائیں گے تو فرمائیں گے: اللہ نے اس کی سن لی جس نے حمد بیان کی، اللہ نے مسیح دجال کو قتل کر دیا اور مومنین فتحیاب ہو گئے۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار ۱۴۲/۴ ح ۳۳۹۶ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نزولِ مسیح کی دوسری روایات کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۳۰ ص ۴۰ـ۴۶، ۴۴ ص ۳۵ـ۴۴، ۶ ص ۲۳ـ۲۵

معلوم ہوا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نزولِ مسیح کی روایات متواتر ہیں۔

تنبیہ: درج بالا حدیث سے دیگر مسائل کے ساتھ دو اہم باتیں واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں:

(۱) عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

(۲) نبی اور رسول کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا اور کہنا دونوں طرح صحیح اور مسنون ہے۔

② سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پھر عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم نازل ہو جائیں گے تو مسلمانوں کا امیر (امام مہدی) ان سے کہے گا: آئیں ہمیں نماز پڑھائیں۔ وہ کہیں گے: نہیں، تم ایک دوسرے کے امیر ہو، اللہ نے اس امت کو یہ بزرگی بخشی ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۴۷/۱۵۶، الحدیث: ۶ ص ۲۵)

یاد رہے کہ پہلی نماز تو امام مہدی پڑھائیں گے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے لیکن دوسری نمازیں خود عیسیٰ علیہ السلام پڑھائیں گے جیسا کہ دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے لہٰذا احادیثِ صحیحہ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

③ سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ طویل حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اچانک عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا۔ وہ زرد رنگ کی دو چادریں لپیٹے ہوئے، اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے، شہر دمشق کے سفید منارہ کے پاس اتریں گے۔ الخ

(صحیح مسلم: ۲۹۳۷، نیز دیکھئے الحدیث: ۶ ص ۲۶)

اس صحیح حدیث سے بھی کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں جن میں سے دو مسئلے درج ذیل ہیں:

(۱) مسجدوں میں منارے بنانا جائز ہے۔

(۲) زرد کپڑے پہننا جائز ہے۔

④ سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دمشق کے مشرق میں سفید منارہ کے پاس نازل ہوں گے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ۱/۲۱۷ ح ۵۹۰ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے الحدیث: ۶ ص ۲۶)

⑤ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال میری امت میں نکلے گا اور چالیس تک رہے گا۔ (راوی کہتے ہیں:) میں نہیں جانتا کہ چالیس دن فرمایا یا چالیس مہینے یا چالیس سال پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا گویا وہ عروہ بن مسعود ہیں۔ وہ دجال کو تلاش کر کے اسے ہلاک کر دیں گے پھر سات سال تک لوگ اس طرح رہیں گے کہ دو شخصوں کے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۲۹۴۰، الحدیث: ۶ ص ۲۷)

⑥ سیدنا ابوسریحہ حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہوجائیں قیامت نہ ہوگی۔ پھر آپ نے ان کا ذکر فرمایا: دھواں، دجال، دابہ، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نازل ہونا، یاجوج و ماجوج کا نکلنا، تین جگہ سے زمین کا دھنس جانا ایک مشرق میں، ایک مغرب میں، اور ایک جزیرۃ العرب میں اور سب سے آخر میں آپ نے اس آگ کا ذکر کیا جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانک کر ان کے محشر کی طرف لے جائے گی۔ (صحیح مسلم:۲۹۰۱، الحدیث:۶ص ۲۸)

⑦ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور وہ اسے (دجال کو) قتل کردیں گے۔ اس کے بعد وہ زمین میں چالیس سال تک امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے رہیں گے۔

(مسند احمد ۶/۷۵ ح ۲۴۹۷۱ وسندہ حسن، الحدیث:۶ص ۲۸)

⑧ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج ہوئی تو آپ نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) سے ملاقات کی اور باہم قیامت کا تذکرہ ہوا۔ سب نے ابراہیم (علیہ السلام) سے قیامت کے بارے میں سوال کیا لیکن انھیں کچھ معلوم نہ تھا پھر موسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیا تو انھیں بھی کوئی علم نہ تھا پھر عیسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: میرے ساتھ قیامت سے قبل (نزول کا) وعدہ کیا گیا ہے لیکن اس کا وقت اللہ کو ہی معلوم ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے دجال کے خروج کا ذکر کیا اور فرمایا: میں نازل ہوکر اسے قتل کروں گا۔'' (سنن ابن ماجہ:۴۰۸۱ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۲/۳۸۴ ووافقہ الذہبی)

اس حدیث کے راوی مؤثر بن عفازہ ثقہ وصدوق ہیں لہٰذا بعض الناس کا انھیں مجہول قرار دینا غلط ہے۔ اس حدیث سے دو بڑے مسئلے ثابت ہوتے ہیں:

(۱) بنی اسرائیل والے سیدنا عیسیٰ بن مریم الناصری علیہ السلام ہی نازل ہوکر دجال کو قتل کریں گے۔

(۲) سوائے اللہ کے قیامت کا علم کسی کو بھی نہیں ہے۔

[باقی آئندہ شمارے میں۔ ان شاء اللہ]

احسن الحدیث ابو معاذ

جس دن صور پھونکا جائے گا

﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا﴾

جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج (گروہ در گروہ) آؤ گے۔[النبا:۱۸]

فقہ القرآن: ① صور سینگ کو کہتے ہیں، اس سے وہ صور مراد ہے جسے منہ میں لئے ہوئے فرشتہ کھڑا ہے کہ کب حکم ہو تو اس میں پھونک مار دے اور قیامت بپا ہو جائے۔ اسی طرح دوبارہ زندہ کرنے کے لئے بھی صور پھونکا جائے گا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صور سینگ کو کہتے ہیں جس میں پھونک ماری جائے گی۔ (سنن ابی داود: ۴۷۴۲ وسندہ حسن وحسنہ الترمذی: ۳۲۴۴ وصححہ ابن حبان: ۲۵۷۰ والحاکم ۲/ ۵۰۶، ۴/ ۵۶۰ ووافقہ الذہبی) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صور سینگ کی طرح ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔ (مسند مسدد/ المطالب العالیہ: ۴۵۳۵ وسندہ صحیح وقال ابن حجر: ''صحیح موقوف'' کتاب الاہوال لابن ابی الدنیا: ۴۷ وسندہ صحیح)

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سے صور پھونکنے والے فرشتے کو مقرر کیا گیا ہے، اس نے آنکھ نہیں جھپکائی، وہ اس خوف سے عرش کی طرف دیکھ رہا ہے کہ کہیں نظر جھپکانے سے پہلے حکم نہ دے دیا جائے، اس کی آنکھیں دو ستاروں کی طرح چمک رہی ہیں۔ (کتاب العظمۃ ۳/ ۸۴۳، ۸۴۴ ح ۳۹۱ وسندہ حسن) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت موقوفاً مروی ہے۔ (دیکھئے کتاب الاہوال: ۵۰ وسندہ حسن)

③ صور میں دو دفعہ پھونک ماری جائے گی: ایک دفعہ قیامت کے لئے اور دوسری دفعہ دوبارہ زندہ کرنے کے لئے۔ دیکھئے سورۃ الزمر (۶۸) صحیح بخاری (۴۸۱۴) اور صحیح مسلم (۲۹۵۵) آیتِ مذکورہ میں نفخۂ ثانیہ (دوسری دفعہ صور پھونکا جانا) مراد ہے۔

④ قیامت کے دن ہر گروہ اپنے رسول یا اپنے امام و سربراہ کے ساتھ آئے گا جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔

⑤ قیامت اچانک آئے گی جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

کلمۃ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

بدشگونی اور نحوست کچھ بھی نہیں ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا طيرة.)) کوئی بدشگونی نہیں ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۷۵۴، صحیح مسلم: ۲۲۲۳، ترقیم دارالسلام: ۵۷۹۸)

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ((لا شؤم)) کوئی بدشگونی اور نحوست نہیں ہے۔ (سنن الترمذی: ۲۸۲۴/۲ وسندہ حسن، سلیمان بن سلیم الشامی ثقۃ واسماعیل بن عیاش حسن الحدیث عن الشامیین وھو بریٔ من التدلیس)

معلوم ہوا کہ دینِ اسلام میں بدشگونی اور نحوست کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بعض ناسمجھ اور جاہل لوگوں کی مت ماری ہوئی ہے جو اپنے دل و دماغ میں بدشگونیوں اور نحوست کے جال بچھائے بیٹھے ہیں۔ توہمات کی دنیا میں رہنے والے کبھی یہ سمجھتے ہیں کہ آج فلاں منحوس آدمی ہمارے سامنے آگیا تھا لہٰذا آج کا دن بہت خراب رہے گا، کبھی یہ کہتے ہیں کہ اگر منگل یا بدھ کے دن کوئی سفر یا کام شروع کیا تو بہت نقصان ہوگا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ صفر کے مہینے میں بڑی نحوست اور ''تیرہ تیزی'' ہوتی ہے جس کی وجہ سے چیزیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ دو عیدوں کے درمیان شادی کرنا غلط ہے۔ ان وہمی لوگوں کی یہ ساری باتیں فضول ہیں اور قرآن و حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''تزوّجني رسول الله ﷺ في شوال و بنى بي في شوال.'' رسول اللہ ﷺ نے شوال (کے مہینے) میں مجھ سے شادی کی اور شوال میں ہی میری رخصتی ہوئی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۲۳، النسائی ۷۰/۶ ح ۳۲۳۸ وسندہ صحیح)

شوال کا مہینہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے درمیان ہے لہٰذا دو عیدوں کے درمیان شادی نکاح نہ کرنے کا تصور اس صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔

جن روایتوں میں عورت وغیرہا کے بارے میں نحوست کا ذکر آیا ہے، ان سے یہ اصطلاحی نحوست مراد نہیں بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ دنیا میں عام قتل و فساد عورت، جائیداد اور گھڑ سواروں (فوج) کی وجہ سے ہوتا ہے۔